MACKINNONS SPORTS CLUB
KARACHI.

جلیانوالہ باغ

ابوالہاشم ندوی

[redacted]

سنگِ میل پبلیکیشنز ◎ لاہور

جلیاں والا باغ

ع ۱
بہادر شاہ مارکیٹ
کراچی

ابوالہاشم ندوی بی اے

جلیاں والا باغ

ایک ناقابلِ فراموش المیّہ

سنگِ میل پبلیکیشنز
چوک اُردو بازار — لاہور ۲

جملہ حقوق محفوظ

طابع .... نذیر حسین

مطبع .... منصور پریس لاہور

ناشر .... سنگِ میل پبلی کیشنز - لاہور

ڈاکٹر سیف الدین کچلو

کے نام

جنہوں نے آزادیٔ ہند کے لئے اپنا سب کچھ لٹا دیا، لیکن آزاد ہندوستان نے جن کی قدر نہ کی وہ مر گئے، لیکن وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے

ہرگز نہ میرد آں کہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

(ابوالہاشم)

ہندوستان کے لوگ جابر حکومتوں کے مظالم
سہنے کے عادی ضرور تھے۔ مگر اس قسم کے ظلم کبھی
ان پہ نہیں توڑے گئے تھے۔ جتنے غدر کے
بعد توڑے گئے

ہندوستان کو صرف
ہندوستانیوں کی آنکھ سے
دیکھیے!

(سر چارلس ووڈ)

فہرست عنوانات

(۱) آغازِ سخن

(۲) قصۂ درد

(۳) ڈائر اور اوڈائر

(۴) قاتل رائے عامہ کے کٹہرے میں

(۵) ہنٹر کمیٹی

(۶) چشم دید گواہوں کے بیانات

(۷) حالات کا جائزہ

(۸) امرتسر کی اضطرابی حالت

(۹) ڈاکٹر کچلو کی گرفتاری

(۱۰) فائرنگ، تڑپتی ہوئی لاشیں، پھڑکتے ہوئے جسم

(۱۱) تماشہ

(۱۲) مارشل لاء

(۱۳) مارشل لاء میں لوگوں پہ کیا گذری

کتنی ہی مذمت کی جائے ۔۔۔ اور بلاشبہ وہ ہر آئینہ قابلِ مذمت ہیں، ۔۔۔ مگر بہرحال قانونی مغالطہ کی حیثیت ضرور رکھتے ہیں، اس لیے انہیں کسی نہ کسی حد تک نظرانداز کیا جا سکتا ہے۔

لیکن جلیانوالہ باغ میں، ایک فرعون صفت انگریز نے ہر اصول، ہر قانون اور ہر ضابطے کو نظرانداز کر کے حریت طلب اور آزادی خواہ ہندوؤں سکھوں اور مسلمانوں کے نہتے اور پُرامن مجمع پر جس طرح گولی چلائی اسکی مثال برطانوی سامراج کی تاریخ میں شاید ہی مل سکے۔

خود انگریز مؤرخوں اور اہلِ قلم نے اس المیہ پر کتابیں لکھیں۔

ان کتابوں میں جہاں کچھ ایسی ہیں جن میں برطانوی استبداد اور قہرانیت کی بھرپور تائید اور مدح سرائی کی گئی ہے وہاں کچھ ایسی بھی ہیں جن میں لکھنے والوں نے اپنے ہم قوموں کی بربریت، سفاکی اور شقاوت پر پردہ ڈالنے اور اسے چھپانے کی کوشش نہیں کی ہے۔ واقعات کو واقعات کی حیثیت سے جانچا اور پرکھا ہے اور اپنے نقطۂ نظر سے جو کچھ سچ اور صحیح سمجھا ہے۔ اسے بے کم و کاست بیان کر دیا ہے۔

ان کتابوں میں، خاص طور پر دو کتابیں مجھے پسند آئیں، ایک کا نام ہے! Massacre at Amritsar اور اس کتاب کے مصنف کا Rupert Furneaux نام ہے۔

دوسری کتاب ہے :-

Six Minutes to Sun-Set

اس کے مصنف ہیں :-

Arthur Swinson;

میں نے ان دونوں کتابوں سے کماحقہٗ استفادہ کیا ہے :-

جلیانوالہ باغ کا المیہ اپنی جگہ پر بہت بڑا المیہ ہے، اور اس کا روشن پہلو یہ ہے کہ اس کی تفصیلات کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمان جنہیں "وطن دشمن" کہہ کر ہندو اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑتے رہے ہیں، پورے خلوص، جوش اور جذبے کے ساتھ آزادی کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھتے رہے ہیں۔

اس حقیقت کو نظر سے کبھی اوجھل نہ ہونا چاہیے۔

گاہے گاہے باز خواں ایں دفتر پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را

ابوالہاشم

۲/۲۲۰، پی ای سی ایچ سوسائٹی
کراچی

قصۂ درد

انہیں افسانۂ غم ڈرتے ڈرتے
سُنایا کچھ کہیں سے کچھ کہیں سے

فائر

افسر نے حکم دیا اور دس منٹ تک
بھاگتے ہوئے لوگوں پر گولیوں کی بارش
ہوتی رہی۔ یہ لرزاں اور ترساں لوگ
تھے جو موت کے کٹہرے سے بھاگ نکلنے
کی کوشش کر رہے تھے۔

یہ جلیانوالہ باغ کا واقعہ ہے

جہاں ۱۶۵۰ راؤنڈ چلائے گئے،
۳۷۹ آدمی ہلاک اور ۱۲۰۰ زخمی ہوئے
اس انبوہ کثیر میں سے کسی نے بچاؤ
کے لیئے بھی نہ لاٹھی چلائی۔ نہ پتھر
پھینکا۔

یہی دل خراش داستان
پوری صحت و استناد کے ساتھ
اگلے صفحات میں پیش کی گئی
ہے۔

ڈائر اور اوڈائر

قاتل رائے عامہ کے کٹہرے میں

میں نے فائرنگ کی اور اس وقت تک کرتا رہا جب تک مجمع منتشر نہ ہو گیا۔ میرا خیال ہے یہ کم سے کم فائرنگ تھی جس کا ہمہ گیر اور دوررس نتیجہ برآمد ہوا یہ میرا فرض تھا کہ ایسا کر گزرتا۔ اگر میرے دستِ قدرت میں اس وقت فوج کے مزید دستے ہوتے تو موجودہ تناسب سے ہلاک شدگان اور مجروحین کی تعداد کہیں زیادہ ہوتی۔ سوال صرف ایک مجمع کو منتشر کرنے کا نہیں تھا بلکہ فوجی نقطۂ نظر سے ان تمام لوگوں کو مرعوب کرنا تھا جو مجمع میں شامل تھے بلکہ خاص طور پر ان لوگوں کو دہشت زدہ کرنا تھا جو صوبۂ پنجاب میں بستے ہیں، لہٰذا غیر ضروری سفاکی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

یہ تھا جنرل ڈائر کا بیان جو انھوں نے ۲۵ اگست ۱۹۱۹ء کو دیا تھا اور اس بیان پر وہ ساری زندگی سختی سے قائم رہے۔

ان الفاظ نے انہیں لاکھوں آدمیوں کی نگاہ میں ایک درندہ صفت انسان کی حیثیت سے روشناس کرایا۔

——— ایک انگریز سپاہی جس نے درندگی اور خون آشامی کا بے جھجک مظاہرہ کیا اور اپنے اس فعلِ زبوں پر کبھی شرمندہ نہ ہوا۔

———※———

۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء کو جلیان والا باغ امرتسر میں جو خون ریزی ہوئی تھی ۱۹۲۰ء میں جنرل ڈائر کے اس سفاکانہ اقدام وعمل پر برطانیہ میں شور و شر برپا ہوا، اور انگلینڈ دو گروہوں میں بٹ گیا۔

ایک گروہ وہ تھا جو جنرل ڈائر کا مدّاح اور ثنا خواں تھا کہ اس نے ۳۷۹ آدمیوں کو ہلاک اور ۱۲۰۰ آدمیوں کو زخمی کر کے شور و شر کرنے والوں اور مفسدہ پردازوں کو ایسا سبق دیا کہ ہندوستان ایک نئے غدر سے بچ گیا۔

دوسری جماعت وہ تھی جس کا خیال تھا کہ ڈائر کی اس درندگی اور سفّاکی نے جو قتلِ عام کی صورت میں ظاہر ہوئی، برطانیہ کے دامن پر ایسا دھبّہ لگا دیا ہے جو جون آف آرک کو زندہ جلا دینے کے بعد سے اب تک رونما نہیں ہوا تھا، یہ ایک ایسا لرزہ خیز اقدام تھا، جس نے صرف ۲۸ سال کی قلیل مدت میں برطانیہ عظمیٰ کو

اس جگمگاتے ہوئے ہیرے سے محروم کر دیا جو اس کے تاج خسروی کی زینت تھا۔

۱۹۲۷ء میں جنرل ڈائر کا انتقال ہو گیا اور کچھ ہی عرصے بعد برطانوی راج بھی ختم ہو گیا۔ سفید فام "صاحب لوگ" انڈیا سے بوریا بستر باندھ کر رخصت ہو گئے، ہندوستان سے باہر کی دنیا میں جلیانوالہ باغ کا حادثہ اب ایک قصۂ ماضی ہے۔

۱۹۲۰ء میں جنرل ڈائر کو بیٹریوں کے آگے پھینک دیا گیا۔ اسے ایک تحقیقاتی کمیٹی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کا اقدام، تحقیقاتی نقطۂ نظر سے یا واقعاتی نقطۂ نگاہ سے کیسا ہی رہا ہو، بہرحال اس نے سارے ہندوستان کو ایک دہکتا ہوا تنور بنا دیا۔

"سیاسی مصلحت" کا تقاضا یہ تھا کہ جنرل ڈائر کو سزا دی جائے۔

برطانیہ کی ٹوری (قدامت پسند) جماعت نے ڈائر کے "کارناموں" کو سراہا۔

ایک انگریز جج نے اسے ہر الزام سے بری قرار دیا۔

لیکن ہندوستانیوں کے قلب مجروح سے خون رستا رہا، وہ اس داغ کو فراموش نہ کر سکے۔

۱۹۴۰ء میں ڈائر کا سیاسی سردار، اور سب سے بڑا پشت پناہ۔ اوڈائر ــــ ایک قاتل کی گولی کا نشانہ بنا۔

ڈائر کے انتقال اور اوڈائر کے قتل نے بہت سے سوالات کا تشنۂ

جواب رکھا۔

ان تشنۂ سوالات کا جواب حاصل کرنے کے لئے ہمیں امرتسر کی گلیوں اور کوچوں کی خاک چھاننا پڑے گی۔ آئیے آج اتوار کا دن ہے، اپریل ۱۹۱۹ء کی ۱۳ تاریخ آغاز موسم بہار کی ایک تپتی ہوئی سہ پہر۔۔۔؟

ہنٹر کمیٹی

آج کا دن تاریخ کے دامن میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یادگار بن جانے اور محفوظ رہ جانے کے لیے، طلوع ہوا ہے۔

چشم تصور وا کیجیے، اور دیکھیے:۔

کھلی ہوئی کاریں افسروں کو لادے لیے جا رہی ہیں۔

گھڑ سوار پولیس والے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔

پیچھے پیچھے آرمرڈ کاریں رواں دواں ہیں،

تقریباً سو سپاہی آگے پیچھے مارچ کرتے جا رہے تھے، ان کے ننگے قدم مسلح سپاہیوں کی رہنمائی کر رہے تھے۔

سڑکوں پر سورج کی تمازت مدھم پڑتی جا رہی تھی۔

بازار کے آدھے راستے پر حذم وحشم، کمانڈنگ آفیسر کا اشارہ پاتے ہی رُک گیا۔

بازار کے ایک طرف ایک تنگ سی گلی تھی جو چند قدموں کے بعد ایک میدان میں نکلتی تھی۔

یہ اتنی زیادہ تنگ گلی تھی کہ مستین گنوں سے آراستہ آرمرڈ کاریں بھی جو اٹکھیلیاں کرتی آگے بڑھ رہی تھیں، یہاں آکر گویا پھونک پھونک کر قدم رکھنے پر مجبور ہو گئیں۔

گزرنے کا راستہ انہوں نے بنایا تو لیکن بہ صد ہزار مشکل:

گلی کے اندر حکام کے حکم کے مطابق سپاہ مارچ کر رہی تھی۔ اور مجمع کو گھیرے میں لیے ہوئے تھی۔ اوپر طیارے اڑ رہے تھے، جو سفید فام آقاؤں کی قوت و شوکت کا ثبوت تھے، سپاہیوں کے داہنے بائیں فوج صف باندھے کھڑی تھی۔ اس نے ایک مورچہ بنا کر سامنے پھیلے ہوئے میدان کے جنوب میں جہاں مجمع اکٹھا تھا پوزیشن لے لی تھی۔ مجمع گوش و ہوش سے تقریر سن رہا تھا۔ مقرر اسٹیج پر کھڑا دادِ خطابت دے رہا تھا، ۲۵ آدمی دروازے کے ہر دو طرف کیل کانٹے سے لیس کھڑے تھے۔ یہ بندوقیں تانے ہوئے تھے اور حکم کے منتظر تھے، ۴۰ آدمی دھار دار اسلحہ سے مسلح ان کے عقب میں تیار کھڑے تھے۔

یکایک افسر نے حکم دیا۔

"گولی چلاؤ!"

فوج جیسے ہی نمودار ہوئی تھی مجمع میں بے چینی پیدا ہوئی، اور لوگ سرگوشیاں کرنے لگے۔

"دیکھنا فوج آگئی!"

جو بیٹھے تھے وہ کھڑے ہو گئے۔

کئی ایسے لوگ تھے جن کے کندھوں پر بچے سوار تھے، انہوں نے بچوں کو نیچے اتار دیا، اور سپاہیوں کی طرف تکنے لگے۔

اسٹیج پر کھڑا ہوا جو مقرر تقریر کر رہا تھا، اس نے زورِ خطابت صرف کرتے ہوئے کہا۔

"خبردار ––– اپنی جگہ سے جنبش نہ کرنا، ڈرنے کی کوئی بات نہیں، یہ سپاہی بے گناہ لوگوں کو ہدفِ ستم نہیں بنائیں گے، جو جہاں ہے، بس وہیں بیٹھا رہے۔"

ڈائس سے کود کر، اور سفید رومال لہراتے ہوئے سپاہیوں کی طرف میاں عبدالعزیز بڑھے۔ جن کی عمر تینتیس ۳۳ سال کی تھی۔ میاں صاحب نے صدر دروازے سے باہر نکلنے کی کوشش کی۔ لیکن رائفل کے کندھوں سے مار مار کر انہیں پھر پیچھے دھکیل دیا گیا۔

جب فائرنگ شروع ہوئی تو ہنس راج نے چلا کر کہا۔

"یہ خالی خولی فائر ہیں، تم لوگ اپنی جگہ پر ڈٹے رہو!"

لیکن مجمع کی بے چینی بڑھتی جارہی تھی۔

گولیاں سنسناتی ہوئی سروں کے اوپر سے گذر رہی تھیں۔

حاضرین میں سے ایک شخص پرتاب سنگھ نے سنا۔ کوئی افسر اپنے سپاہیوں سے کہہ رہا تھا:-

"اوپر اوپر فائرنگ کیوں کر رہے ہو؟ بندوقیں نیچی کرو، اور گولی چلاؤ!"

پھر سیٹی بجی۔

سیٹی بجتے ہی گولیاں تڑاتڑ زمین پر برسنے لگیں، جس کا جدھر منہ اٹھا، بھاگنے لگا۔ ایک عجیب افراتفری کا عالم تھا۔

ڈائر کا بیان ہے کہ فائرنگ کے سلسلے میں اس نے کسی سے مشورہ نہیں کیا۔ کیونکہ امرتسر میں کوئی ایسا تھا بھی نہیں جس سے مشورہ کیا جا سکتا"

وہ کہتا ہے۔

" مجھے فوری طور پر فیصلہ کرنا تھا کہ اب میرا اقدام کیا ہونا چاہیے ۔"

ڈائر نے یہ الفاظ ہنٹر کمیٹی کے سامنے کہے تھے ۔ اس نے مزید کہا ۔

" فوجی نقطۂ نظر سے میرا خیال تھا کہ مجھے فوراً گولی چلا دینی چاہیے ۔ اگر مجھے یہ فائرنگ کرنی تھی تو وہ اتنی ہی ہونی چاہیے تھی کہ حسبِ دل خواہ نتیجہ برآمد ہو سکتا ، معمولی سی فائرنگ کے معنی تھے :-

" ایک مجرمانہ اور احمقانہ اقدام !"

منادی کے بعد جلیانوالہ باغ کے مجمع خلافِ قانون کو مزید انتباہ کرنا ، یا اس سے گفت و شنید کرنا ، یا اسے موقع اور مہلت دینا قطعاً بیکار تھا ۔

جنرل ڈائر سے ہنٹر کمیٹی کے سامنے جب وہ پیش ہوا سوال کیا گیا ۔

" آپ نے کیا کیا ؟ "

اس نے جواب دیا ۔

" فائرنگ ۔"

سوال ہوا ۔

" فوراً ؟ "

" جی ہاں ، فوراً ۔"

میں نے تھوڑی دیر شاید آدھا منٹ غور کیا ، اور فیصلہ کر لیا کہ میرے فرض کا

تقاضا کیا ہے ؟ "

ایک عینی شاہد کا یہ بیان ہے جو اپنے مکان کی چھت سے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ کہ :۔

" مجمع کو منتشر ہو جانے کی تنبیہہ نہیں کی گئی، گورکھا سپاہی رائفل چھپائے باغ میں داخل ہوئے اور ایک اونچی جگہ پر پوزیشن لی، فائرنگ شروع ہوئی، تو بھگدڑ مچ گئی۔ "

لالہ کرن چند اسسٹنٹ اکاؤنٹنٹ کا بیان ہے :۔

" سپاہی باغ میں داخل ہوئے اور صفیں قائم کیں، اور کسی طرح کا انتباہ کیے بغیر فائرنگ شروع کر دی۔

حکم ملتے ہی سپاہیوں نے نیچے والے حصّے پر بے تامل فائرنگ شروع کر دی۔ گولیاں زمین پر اولوں کی طرح گر رہی تھیں، اور لوگ زخمی اور ہلاک ہو ہو کر گر رہے تھے۔ جس کا جدھر منہ اٹھا بھاگ نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔

بہت سے لوگ بھاگنے میں مجروح یا ہلاک ہو کر خاک و خون میں لتھڑنے لگے۔ نشانے کی زد بھاگتے ہوئے لوگوں پر تھی۔ خاص طور پر دروازے سے نکل بھاگنے کی کوشش کرنے والوں پر۔ "

جنرل ڈائر نے اپنے مراسلے میں لکھا تھا :۔

"جب میں نے محسوس کر لیا کہ میرے احکام کی تعمیل نہیں
ہو رہی ہے، تو یہ میرا فرض تھا کہ گولی چلا کر مجمع منتشر کر
دوں۔ میں نے فیصلہ کر دیا تھا کہ میں تمام حاضرین کو
موت کے گھاٹ اتار دوں گا اگر وہ ایسا کرنے پر بضد
رہے!"

ڈائر کے یہ الفاظ ہنٹر کمیٹی کے ایک رکن جنرل سر جارج بارو کے دل پر نقش ہو گئے۔ انہوں نے ۱۹۳۱ء میں "جنرل سر چارلس مونرو" پر جو کتاب لکھی تھی، اس میں ان الفاظ کا ذکر کیا ہے۔

لارڈ ہنٹر، کمیٹی کے صدر نے جنرل ڈائر سے سوال کیا۔
"کیا گولی چلانے سے آپ کا مقصد مجمع کو منتشر کرنا تھا۔؟"
"جی ہاں۔"
"کیا کوئی اور مقصد بھی تھا۔"
"نہیں جناب — میں اس وقت تک فائرنگ جاری رکھنا چاہتا تھا جب تک مجمع منتشر نہ ہو جائے!"
"کیا جوں ہی فائرنگ شروع ہوئی مجمع منتشر ہونا شروع ہو گیا تھا۔؟"
"جی ہاں۔ فوراً!"

"آپ نے پھر بھی فائرنگ جاری رکھی ؟"

"جی ہاں جناب !"

"جب مجمع منتشر ہونے لگا تھا تو آپ نے فائرنگ بند کیوں نہیں کر دی ؟"

"میں نے سوچا یہ میرا فرض ہے کہ جب تک مجمع بالکل منتشر نہ ہو جائے اس وقت تک فائرنگ جاری رکھنی چاہیے، اگر فائرنگ کم کی گئی تو نتیجہ حسب دلخواہ برآمد نہیں ہو گا۔ اگر میں کم فائرنگ کرتا تو ایک فعل عبث کا ارتکاب کرتا !"

"فائرنگ کا سلسلہ کتنی دیر تک جاری رہا۔ ؟"

"تقریباً دس منٹ تک !"

"دس منٹ تک ؟"

"شاید اس سے کچھ کم !"

جنرل ڈائر کو اس بات کا اعتراف کرنا پڑا کہ جس مجمع پہ اس نے گولی چلائی وہ مسلح نہیں، نہتا تھا۔

"کیا بغیر فائرنگ کے آپ مجمع منتشر نہیں کر سکتے تھے ؟"

ڈائر نے جواب دیا۔

ایسا ممکن تھا۔"

ہو سکتا تھا کہ وہ پھر جمع ہو جاتا، اور میرا مضحکہ اڑاتا !"

جنرل ڈائر سے ایک اور سوال کیا گیا :-

"کیا صورتِ حال بہت زیادہ نازک ہو گئی تھی؟"

جنرل ڈائر نے جواب میں کہا۔

"بہت نازک جناب۔"

چشم دید گواہوں کے بیانات

ہنٹر کمیٹی کے سامنے چشم دید گواہ بھی پیش ہوئے، جنہوں نے یہ خونیں ڈرامہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

ان لوگوں نے جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، حد درجہ مرعوب، دہشت زدہ اور سراسیمہ ہونے کے باوجود اسے ممبران کمیٹی کے سامنے بیان کر دیا۔

خود جنرل ڈائر کے اندازے کے مطابق دہشت زدہ اور رو بہ فرار مجمع کی تعداد ۲۵ ہزار کے قریب تھی یہ انبوہِ عظیم، گولیوں کی بارش سے خوف زدہ اور ہراساں جان

(۱۴) جنرل ڈائر سے سکھوں کی عقیدت
(۱۵) قصور ڈھونڈ کے پیدا کیے جفا کے لیے
(۱۶) ڈائر - ایک ہیرو
(۱۷) طوفان کی آمد آمد
(۱۸) قدرت کی چکی
(۱۹) قاتل کی سراسیمگی
(۲۰) کانگرس تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ
(۲۱) چرچل نے ڈائر کو چلتا کر دیا
(۲۲) آرمی کونسل کا فیصلہ
(۲۳) جج کا یک طرفہ فیصلہ
(۲۴) ڈائر کی موت اور ڈائر کا قتل

آغازِ سخن

متحدہ ہندوستان (بشمول پاکستان) پر انگریزوں نے اَن گنت مظالم کیے ہیں۔ عصمتیں لوٹیں، کھیت جلائے، مکانات ڈھائے، جائدادیں چھینیں، املاک پر قبضہ کیا، جاگیریں نیلام کیں، کوڑے لگائے، پھانسی دی، گولی ماری، جو کچھ کر سکتے تھے سب کچھ کیا بلکہ اس سے بہت زیادہ کر گزرے۔ لیکن اس طرح کی حرکتیں، زیادہ تر غدر کے دوران میں یا غدر کے فوراً بعد کی گئیں۔ اس کے بعد نظم و قانون کی ——— خواہ وہ کتنا ہی ناقص ہی کیوں نہ ہو ——— عملداری شروع ہو گئی، اس دور میں جو مظالم بھی ہوئے وہ بہر حال قانون کے نام پہ، اور قانون کی آڑ لے کر کیے گئے۔ ان کی خواہ

بچانے کے لیے بھاگا، لیکن نکاسی کے راستے بند تھے۔

ایک چشم دید گواہ گردھاری لال کا بیان ہے کہ گولیاں پندرہ منٹ تک برستی رہیں، سینکڑوں آدمی بے بسی کی موت مارے گئے، جو لوگ دیواروں پر چڑھ گئے انہیں بھی سپاہیوں نے نیچے مار گرایا۔

بھاگتے ہوئے مجمع پر تابڑ توڑ گولیاں برس رہی تھیں جس جگہ مجمع زیادہ گھنا ہو جاتا تھا وہاں یہ شدت اور بڑھ جاتی تھی۔

جو لوگ گولیوں کی باڑھ سے بچنے کے لیے زمین پر لیٹ گئے تھے، گورکھا سپاہیوں نے گھٹنے زمین پر ٹیک کر انہیں بھی نشانہ اجل بنا دیا۔

میاں محمد شریف نامی ۲۲ سالہ نوجوان ہمت کر کے دیوار پر چڑھ گیا اور کود کر جان بچا لینے میں کامیاب ہو گیا۔

لالہ رام گوپال لاشوں کو روندتا ہوا بھاگوں بھاگ دیوار پر چڑھا، لیکن بھاگتے میں دھوتی گر گئی، گلی میں جب پہونچا تو مادرزاد ننگا تھا۔

سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ فائرنگ ان دروازوں کی طرف زیادہ شدت سے ہو رہی تھی جدھر سے لوگ جان بچا کر نکل سکتے تھے۔

اسماعیل قصاب کا بیان ہے کہ میں جدھر رخ کرتا لاشیں بکھری ہوئی نظر آتی تھیں۔

ایک شال فروش عبدالواحد کا بیان ہے کہ میں نے ایک پیڑ کے نیچے بارہ آدمیوں

کو پناہ گزیں دیکھا، جو ایک دوسرے کے آگے پیچھے کھڑے تھے، سپاہیوں کی نظران پر گئی تو انہوں نے ایک ایک کرکے سب کو ڈھیر کر دیا۔

ہنٹر کمیٹی کے ایک ہندوستانی ممبر نے جنرل ڈائر سے پوچھا۔

"کیا آپ کا مقصد دہشت پیدا کرنا تھا

جنرل ڈائر نے جواب دیا۔

"میرے اقدام کا جو نام چاہے رکھ لیجیے، میرا مقصد تو شورش پسندوں کو سبق دینا تھا۔ امرت سر میں بغاوت کے آثار نمایاں ہو چکے تھے، میرا فرض تھا کہ اس شورش کو کچل دوں، ہر وہ آدمی جو باغ سے بچ نکلا، وہ اس حقیقت کا پیامی بن کر نکلا کہ امرت سر میں "لا اینڈ آرڈر" کا راج ہے!"

برطانوی حکام کی طرف سے زخمیوں کے علاج کا، اور لاشوں کو ٹھکانے لگانے کا کوئی بندوبست نہیں تھا۔

ہنٹر کمیٹی میں جب جنرل ڈائر سے سوال کیا گیا کہ اس سلسلے میں اس نے کیا کیا؟ تو وہ گویا ہوا۔

"میں نے کچھ نہیں کیا، یہ میری ذمے داری نہیں تھی۔"

تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے میاں سکندر علی نے بیان دیتے ہوئے کہا۔

"حادثے کی خبر ملتے ہی میں اپنے چھوٹے لڑکے کو تلاش کرتا باغ میں پہونچا، یہ سوا سات بجے شام کا وقت تھا، بڑی مشکل سے لاشوں کے

ڈھیر میں مجھے اپنا جان ہار بچہ ہمیشگی کی نیند سویا ہوا ملا۔ میرے لڑکے کی لاش کے پاس میرا چچازاد بھائی اسمٰعیل بھی مُردہ پڑا تھا۔ اور زخموں سے چُور، اسماعیل کا ایک اور عزیز بھی اس کی تلاش میں آپہونچا تھا۔ ہم دونوں نے مل کر، بڑی مشکل سے یہ دونوں لاشیں اٹھائیں اور باہر نکلے ۔ ان لاشوں میں جوان، بوڑھے بچے سب شامل تھے۔ زخمیوں اور مُردوں کی تعداد، دو ہزار سے کسی طرح کم نہ تھی۔"

اب ہم دونوں پھر پیچھے کی طرف لوٹتے ہیں۔

حالات کا جائزہ

اپنے اس اقدام کے بارے میں جنرل ڈائر کا خیال تھا کہ اس نے پنجاب کو ایک خونیں بغاوت سے اور سارے ہندوستان کو غدر سے بچا لیا۔

جنرل ڈائر کے حامیوں کا خیال ہے کہ اس نے چند آدمیوں کی جان لے کر بہت سی جانوں کو بچا لیا۔

دوسرا گروہ اس کے برعکس سوچتا ہے۔

لیکن دونوں اس پر متفق ہیں کہ سارے ملک میں ہنگامہ آرائیاں دفعتہً شروع ہوئیں، کیونکہ دہلی میں یہ چنگاری ۳۰ مارچ سے سلگنا شروع ہو گئی تھی۔

ہندوستان نے بڑی شرافت کے ساتھ برطانیہ کی خلاف مسائی جنگ میں

انگریزوں کا جان و مال سے ساتھ دیا تھا۔ یہاں کے لوگوں نے غذائی قلّت کی تکلیفیں برداشت کیں، بڑھتی ہوئی اشیاء کی قیمتوں کو گوارا کیا۔ محاصل کا اضافہ منظور کر لیا، پریس پر جو پابندیاں عائد کی گئیں اور شخصی آزادی جس طرح مجروح کی گئی اس کے خلاف، حرفِ شکایت زبان پر نہ لائے۔

لیکن جنگ کے کامیاب اختتام کے بعد انھوں نے دوسروں کو آزاد ہوتے اور خود کو بدستور بندِ غلامی میں جکڑا ہوا پایا۔ حالاں کہ وہ صحیح طور پر منتظر تھے ان سے اصلاحاتِ سیاسی کا وعدہ کیا جا چکا تھا۔ اور چند مرحلوں کے بعد "ہوم رول" دینے کا سرکاری طور پر وعدہ کر لیا گیا تھا۔

بجا طور پر اس ملک کے باشندے یقین کیے بیٹھے تھے کہ جنگ کو کامیاب طور پر اختتام تک پہونچانے میں انھوں نے روپیہ بھی دیا۔ اور آدمی بھی۔ اب وقت ہے کہ ان قربانیوں کا صلہ ملے، لیکن وہ صلہ ناقص سیاسی اصلاحات، تشدّد آمیز قوانین، اور رولٹ ایکٹ کی صورت میں ملا جس کی رو سے پولیس اور انتظامیہ کو غیر معمولی اختیارات حاصل تھے۔ نہ اپیل کی اجازت ملزم کو حاصل تھی نہ وکیل کی، حد یہ ہے کہ ملزم کے ہاتھ میں فردِ قرارِ دادِ جرم کا دیا جانا بھی ضروری نہیں تھا اور مزید ستم ظریفی یہ کہ اس ایکٹ کے ماتحت جس شخص کے خلاف کاروائی کی جاتی تھی حکام قانونِ شہادت کے کسی پہلو پر عمل کرنے کے پابند نہیں تھے۔

رولٹ بل ۲۳، مارچ کو ایکٹ (قانون) بن گیا۔ یہی قانون تھا جو مسٹر گاندھی

کی تحریک مقاومت مجہول یا عدم تشدد Passive Resistance Movement کو عالم وجود میں لایا۔ جیسے وہ ستیاگرہ کے نام سے یاد کرتے تھے۔ انہوں نے ۳۰ اپریل کے لئے عام ہڑتال اور اسٹرائک کا اعلان شائع کیا، لیکن کسی غلط فہمی کے باعث اکثر مقامات پر یہ دن ۳۰ مارچ کو منایا گیا۔

دہلی میں فساد، ریلوے اسٹیشن سے شروع ہوا، کیونکہ وہاں ریفرشمنٹ روم میں کھانا کھلایا جا رہا تھا۔ مجمع تشدد پر اتر آیا تو پولیس نے فائرنگ کی جس سے دو آدمی مجروح ہوئے۔ پھر سارے شہر میں ہلڑ مچ گیا۔ دوبارہ فائرنگ ہوئی جس سے کئی آدمی ہلاک اور بہت سے مجروح ہوئے، ہنٹر کمیٹی نے اس فائرنگ کو حق بجانب قرار دیا،

دہلی کے ہنگامے کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ لوگوں کو سواریوں سے اتار دیا گیا۔ جو یورپین اپنی کار میں گذر رہے تھے ان کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا۔ خود جنرل ڈائر بھی اس یلغار سے نہ بچ سکے۔ وہ چند روز کی چھٹی پر دہلی آئے ہوئے تھے اور کار میں کچھ خواتین کے ساتھ سیر کو نکلے، مجمع دیکھ کر وہ سمجھے کوئی میلہ ہے چنانچہ خواتین سے انہوں نے یہی کہا، لیکن جب فسادیوں نے ہلّہ بولا تو انہوں نے شوفر کو ہدایت کی کہ تیزی سے نکل چلے۔ چھٹی منا کر دوسرے دن جب وہ اپنے مستقر جالندھر واپس آئے تو کئی مقامات پر ان کی کار کو سامنا کرنا پڑا، ایک جگہ تو کار کے پہیے میں میخ ٹھونک دی گئی تاکہ وہ آگے نہ بڑھ سکے۔

دوسرے شہروں میں ہڑتال ۶ اپریل کو کی گئی، لیکن کوئی حادثہ رونما نہیں ہوا البتہ پنجاب کے دار الحکومت لاہور کی حالت دگرگوں تھی۔

سر مائیکل اوڈائر سات سال تک پنجاب کے لفٹیننٹ گورنر رہنے کے بعد چند ہفتوں کے اندر پنشن پر جانے والے تھے۔ دہلی کے حوادث سے متاثر ہو کر انہوں نے پبلک اجتماعات پر پابندی لگادی، اور ستیہ گرہ کے عہد نامے پر جن لوگوں نے دستخط کیے تھے انہیں سختی سے متنبہ کر دیا، کیونکہ لاہور اور امرت سر میں بڑے بڑے پوسٹر "مارو اور مرجاؤ" کے دیواروں پر چسپاں کیے گئے تھے۔ جس سے ہوا کے رخ کا اندازہ ہوتا تھا کہ ۱۳ اپریل کو کیا ہونے والا ہے۔

مسٹر گاندھی دس اپریل کو، دہلی اور پنجاب کے دورے پر روانہ ہوئے لیکن حکومت ہند نے دہلی میں اور حکومت پنجاب نے اپنے صوبے میں ان کا داخلہ ممنوع قرار دیا۔ گاندھی کو پلول اسٹیشن پر اس حکم سے مطلع کیا گیا انہوں نے احتجاج کیا لیکن احمد آباد واپس جانے پر راضی ہو گئے۔

یہ خبر آگ کی طرح سارے ملک میں پھیل گئی۔ دوسرے شہروں میں تو کچھ ایسا زیادہ شور و شر نہیں ہوا۔ لیکن، دہلی، لاہور اور امرت سر میں تو گویا آگ لگ گئی۔

امرت سر میں یہ افواہ پھیل گئی کہ گاندھی کو گرفتار کر لیا گیا ہے ۔ اس افواہ نے جلتی پہ تیل کا کام کیا، سارے شہر میں دنگا اور ہلڑ شروع ہو گیا ۔ مجمع حد سے زیادہ مشتعل تھا، کئی انگریز زخمی ہوئے ۔ایک مارا گیا ۔ سرکاری عمارتوں کو آگ لگا دی گئی ۔ پولیس پہ پتھراؤ کیا گیا ۔ اور سوراج کا اعلان کر دیا گیا ۔ فائرنگ کے بعد مجمع منتشر ہوا ۔ ۱۲ اپریل کو گاندھی آ گئے ۔ انھوں نے عدم تشدد اور امن کی اپیل کی جو کارگر ہوئی ۔

لاہور میں حالات اتنے نازک ہو گئے کہ دو روز تک گویا یہاں فسادیوں کی عملداری رہی ۔

---

۱۱ اپریل کو ۲۵ ہزار ہندؤں اور مسلمانوں کا مجمع جو انگریزوں سے تنفر میں بالکل متفق تھا، بادشاہی بازار کی طرف سیاہ جھنڈے لیے، اور اشتعال انگیز نعرے لگاتا ہوا بڑھا ۔ یہ لوگ جارج پنجم مردہ باد کے نعرے لگا رہے تھے ۔ اور علی الاعلان کہہ رہے تھے ہمارا بادشاہ امیر افغانستان اور شہنشاہ جرمنی ہے شہر کی ہر بڑی سڑک ہندو مسلم شورش پسندوں سے پٹی ہوئی تھی ۔

گورنر نے اپنی قیام گاہ پہ سیاسی لیڈروں کی ایک کانفرنس بلائی، تیس چالیس آدمی شریک ہوئے ۔ بعض کی رائے تھی کہ عوام کے لیڈروں سے صلح صفائی کی بات کی جائے لیکن سر مائیکل اوڈائر اس کے لئے تیار نہیں ہوئے ۔ انھوں نے

کہا۔

"ہم باغیوں سے بات نہیں کر سکتے، ان سے ہم اچھی طرح نمٹ سکنے کی قوت رکھتے ہیں۔"

۱۲/اپریل کو بادشاہی مسجد کے باہر ایک زبردست جلسہ ہوا۔ یہاں سادہ لباس میں کچھ پولیس والے تھے۔ ان کی خوب پٹائی ہوئی۔ آٹھ سو پولیس کے سپاہی مسلح کھڑے تھے ان پر پتھراؤ ہوا۔ انتباہ کے باوجود مجمع نے منتشر ہونے سے انکار کر دیا۔ آخر گولی چلائی گئی۔ جس کا نتیجہ ہلاکت اور جراحت کی صورت میں رونما ہوا۔ شہر کے دوسرے مقامات پر بھی یہی صورت پیش آئی۔

قصور میں بھی بہت نازک صورت پیش آئی۔ زبردست ہڑتال کی گئی۔ مظاہرے ہوئے اور جلوس نکالے گئے۔ فیروز پور سے ایک ٹرین آ رہی تھی جس میں یورپین بھی تھے۔ ٹرین روک لی گئی اور ان کی جان کے لالے پڑ گئے۔ بڑی مشکل سے انہیں بچایا جا سکا۔

انگریز عورتوں اور بچوں کی جان لینے کی کوشش بھی کی گئی — لیکن ایک ریلوے انسپکٹر خان دین نے ان کی حفاظت کی اور بچا لیا، ٹرین جب پلیٹ فارم پر پہنچی تو دو انگریز وارنٹ آفیسر ہلاک کر دیے گئے۔ اسٹیشن کو آگ لگا

دی گئی، عدالت کی عمارت پر حملہ کیا گیا۔ یہاں بھی فائرنگ ہوئی جس میں چار فسادی ہلاک اور ۵ زخمی ہوئے، اس فائرنگ کو ہنٹر کمیٹی نے حق بجانب قرار دیا۔

پنجاب کے ۲۹ شہروں میں سے ۱۹ میں بقول سر او ڈائر، توڑ پھوڑ پوری شدت کے ساتھ ہوئی، بلکہ لاہور سے خفیہ پیغام دہلی کے ریلوے ورکرز کو بھیجا گیا کہ وہ ہڑتال کر دیں تاکہ فوج کی آمد و رفت ناممکن ہو جائے۔

امرتسر کے خطرناک حالات کے پیشِ نظر جنرل ڈائر کو ہدایت کی گئی کہ وہ اپنا لاؤ لشکر لے کر فوراً وہاں پہنچ جائیں۔

امرتسر کی اضطرابی حالت

گر کیا ناصح نے ہم کو قید اچھا یوں سہی
یہ جنونِ عشق کے انداز چھٹ جائینگے کیا؟

ڈاکٹر کچلو کی گرفتاری

حالات میں تیزی کے ساتھ تبدیلیاں ہو رہی تھیں ۔
امن کی جگہ اضطراب نے لے لی تھی ۔
ہر طرف ایک نامعلوم سی ، ایک غیر محسوس سی ، ایک انجانی سی سراسیمگی —،
بے چینی اور تشویش و اضطراب کے آثار واضح اور نمایاں طور پر نظر آ رہے تھے ۔

۵

امرتسر میں ۳۰ مارچ خیریت سے گزر گئی، ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور ڈاکٹر ستیہ پال پر عوامی اجتماعات میں تقریر نہ کرنے کا حکم امتناعی نافذ کر دیا گیا۔

۵ اپریل کو ایک خفیہ جلسہ ہوا جس میں یہ دونوں ہی شریک ہوئے، ۶ اپریل کو امرتسر میں مکمل ہڑتال ہوئی، بظاہر پُر سکون، لیکن طوفان کی آمد آمد ہر وقت متوقع تھی۔

ڈپٹی کمشنر مسٹر مائلس ارونگ نے ہنٹر کمیٹی کے سامنے جو تحریری بیان پیش کیا اس میں انہوں نے لکھا تھا کہ اس تحریک کے پس پشت جو دماغ کام کر رہے تھے وہ اگرچہ تشدد کے مخالف تھے لیکن حالات اتنے ابتر تھے کہ خود ان کے قابو سے باہر ہو چکے تھے۔ انہوں نے حکومتِ پنجاب کو جو مراسلہ بھیجا اس میں تحریر کیا تھا، کسی وقت بھی قیامت خیز شورش رونما ہو سکتی ہے۔ فوجی امداد فوری طور پر ملنی چاہیئے تاکہ سول لائن کو بچایا جا سکے۔

"یہ میری بہت بڑی غلطی تھی کہ میں نے یہ سمجھ رکھا تھا، میں ڈاکٹر سیف الدین کچلو کو راہِ راست پر لا سکوں گا۔ لیکن وہ تو بڑے گھرے ثابت ہوئے بہرحال ہمیں اب اپنی ہی قوت بازو پر بھروسہ کرنا پڑے گا۔"

○

۹ر اپریل کو رام نومی کا تہوار تھا، اس میں مسلمانوں نے بھی بڑے جوش و خروش سے حصہ لیا، جو برطانیہ کی مسلمہ پالیسی "لڑاؤ اور حکومت کرو" کا نہایت مجرمانہ جواب تھا۔ مسٹر ارونگ کا بیان ہے کہ مسلمانوں نے سبیل لگا لگا کر ہندوؤں کے لیے پانی مہیا کیا اور ہندوؤں نے مسلمانوں کے ہاتھ سے پانی لے کر پیا۔ ہنٹر کمیٹی کی رائے میں ہندو مسلم اتحاد کا یہ نہایت مثالی مظاہرہ تھا۔

جلوس نے حسب شہر کی گلیوں اور سڑکوں کا گشت کیا تو مذہبی نعروں کے بجائے سیاسی نعرے لگائے جا رہے تھے۔ لیکن ابھی تک بدامنی کے آثار نہیں تھے۔ بلکہ بغیر کسی مداخلت کے "بادشاہ کو خدا سلامت رکھے" کا بینڈ بھی بجتا رہا، البتہ مسلمان طلبہ ترکوں کی حمایت میں جو انگریزوں کے دشمن تھے نعرے لگا رہے تھے، لالہ جیون لال سی آئی ڈی انسپکٹر جو مجمع میں ایک تماشائی کی طرح شریک تھا، بیان کرتا ہے کہ اس نے حکومت کے خلاف اشتعال انگیز نعرے سنے۔

مسٹر ارونگ جلوس کے ساتھ گشت کرنے کے بعد جب اپنے بنگلے پہنچے تو صوبائی حکومت کی طرف سے انہیں حکم ملا کہ ڈاکٹر ستیہ پال اور ڈاکٹر سیف الدین کچلو کو شہر بدر کر کے دھرم سالہ بھیج دیا جائے۔ نیز یہ کہ لفٹیننٹ گورنر پنجاب

مسٹر اروِنگ سے متفق ہیں، ضروری فوجی امداد کی فوجی کارروائی کی جا رہی ہے۔

اگرچہ ان دونوں لیڈروں کی گرفتاری سے کوئی بلوہ کا اندیشہ نہیں تھا لیکن مسٹر اروِنگ نے اس سلسلے میں احتیاطی تدابیر ضروری سمجھیں کہ کوئی مظاہرہ نہ ہونے پائے۔ اور عوام انہیں پولیس کی حراست سے نکال نہ لے جائیں چنانچہ طے یہ ہوا کہ ڈاکٹر ستیہ پال اور ڈاکٹر سیف الدین کچلو کو ڈپٹی کمشنر کے بنگلے پر بُلایا جائے اور وہیں سے گرفتار کر کے زبردست فوجی پہرے کے ساتھ روانہ کر دیا جائے۔ ڈپٹی کمشنر کے بنگلے، پلوں، سرکاری عمارتوں، وغیرہ پر پکیٹ کا انتظام کر دیا جائے، باقی فوج رام باغ میں ہنگامی ضرورت کے لیے موجود رہے۔ اگر بدامنی واقع ہوئی تو انگریز مردوں اور عورتوں کے انخلا کا بندوبست بھی کر لیا گیا۔

ڈپٹی کمشنر کی طلبی پر ستیہ پال اور کچلو اس کے ہاں پہنچ گئے۔ فوراً ان پر ڈیفنس آف انڈیا رول کے ماتحت ایک حکم نامے پر دستخط کر دیے گئے کہ اسی وقت امرتسر چھوڑ دیں۔ دونوں کو الگ الگ کار میں بٹھایا گیا۔ کار ہوا سے باتیں کرنے لگی، پیچھے پیچھے فوجی دستے تھے جو شاہ پور تک ساتھ گئے۔ جو دوست کچلو اور ستیہ پال کے ساتھ ڈپٹی کمشنر کے بنگلے پر آئے تھے انہیں آدھ گھنٹے تک روکے رکھا گیا۔ پھر جانے کی اجازت دے دی گئی۔ یہ خبر آگ کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی۔

۱۱ بجے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس مسٹر پلومر کو بذریعہ فون کوتوالی سے اطلاع دی گئی کہ ایچیسن پارک میں ایک خلقت دونوں لیڈروں کی رہائی کا مطالبہ کرنے کے لیے جمع ہو رہی ہے۔ مسٹر پلومر موقع واردات پر روانہ ہو گئے۔ انہوں نے کیپٹن مسی کو مطلع کیا کہ جوش سے دیوانہ مجمع کمشنر کے بنگلے کی طرف بڑھ رہا ہے موصوف فوراً ہال گیٹ برج پر پہنچے جہاں سے انہوں نے دیکھا کہ ایک انبوہ کثیر دیوانہ وار بڑھا چلا آرہا ہے اور جو قطعاً قابو سے باہر ہو چکا ہے، اور اس کی تعداد میں لحظہ بہ لحظہ اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

مسٹر بلٹ اسسٹنٹ کمشنر نے مجمع کو واپس جانے کی ترغیب دی لیکن نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا تھا۔

لالہ گیان چند نے کانگریس کی تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا کہ جب مسٹر پلومر نے مجمع سے منتشر ہو جانے کی اپیل کی تو مجمع ننگے سر اور نہتا تھا۔ لوگ زمین پر بیٹھ گئے اور سینہ کوبی کرنے لگے، فوج اور پولیس کے سپاہی ہر طرح کے ہتھیاروں سے لیس گھوڑوں پر سوار راستہ روکے ہوئے تھے۔ مجمع کے کچھ لوگوں نے پاس پڑے اینٹوں کے ایک ڈھیر سے اینٹیں اٹھائیں اور گھوڑسواروں کے مارنا شروع کیں۔ ایک سوار نے گولی چلا دی جس سے دو آدمی زخمی ہوئے جنہیں فرید بازار کے ڈاکٹر بشیر کے مطب میں مرہم پٹی کے لیے پہونچا دیا گیا۔

مسٹر کونر اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر نے لفٹیننٹ ڈی اور ان کے آدمیوں کو گرفتار بلا دیکھ کر فائرنگ کا حکم دیا، مسٹر کونر (MR. CONNER) کا بیان ہے کہ مشتعل مجمع قتل و غارت پر کمربستہ تھا۔ اور کچلو اور ستیہ پال کی رہائی کا مطالبہ کر رہا تھا، ایک آدمی آگے بڑھا، اس نے اپنا سینہ پیٹتے ہوئے کہا، ہمارے لیڈر وں کو رہا کردو ورنہ ہم مرنے مارنے کو تیار بیٹھے ہیں، ایک دوسرے شخص نے مسٹر کونر سے کہا ۔

" حکومت کا وعدہ حکومت خود اختیاری دینے کا تھا ۔۔۔ لیکن وہ دے رہی ہے گولیاں ۔

لیکن فائرنگ مسٹر کونر کے بیان کے مطابق نتیجہ خیز رہی۔ مگر پھر اشتعال بڑھا، لوگ اپنے لیڈروں کی گرفتاری اور فائرنگ کے نتیجہ میں مجروحین و ہلاک شدگان کی کیفیت دیکھ کر ہوش و حواس کھو بیٹھے تھے، مسٹر جیکر (کانگریس سب کمیٹی) کا تاثر یہی ہے۔ اب مجمع ریلوے سٹیشن اور شہر کی طرف بڑھا، گورا فوج کے سپاہی جو پل پر متعین تھے یہ دیکھ کر ششدر رہ گئے کہ مختلف مقامات شہر آگ کی لپیٹ میں آچکے ہیں۔ دھواں اٹھ رہا ہے ۔ شعلے بھڑک رہے ہیں ۔

کرنل ہنری اسمتھ (سول سرجن) موتیا کا ایک آپریشن جیلی ہسپتال میں کر رہے تھے کہ ان کا اسسٹنٹ آیا اور اس نے حالات کی اطلاع دی۔ ایک

منٹ میں آپریشن سے فارغ ہو کر انہوں نے فون اٹھایا۔ مین لائن کٹی ہوئی تھی۔ وہ موٹر ایمبولینس میں بیٹھ کر مشن ہسپتال پہنچے اور وہاں سے انگریز اور ہندوستانی عیسائی عورتوں کو لے کر کیننال بنگلے میں پہنچا آئے، راستے میں ایک مشن سکول نظر پڑا جس سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے۔

دو انگریز عورتیں شہر میں رہ گئی تھیں، اور خوش قسمتی سے زندہ بچ گئیں لیکن ان میں سے ایک خطرناک طور پر زخمی ہوئی۔

بہت سے انگریز پیٹے گئے، کئی مار ڈالے گئے۔

مشتعل اور حواس باختہ مجمع نے نیشنل بنک کو لوٹ لیا اور آگ لگا دی، بنک کے انگریز مینیجر اور ان کے اسسٹنٹ مسٹر اسٹیوارٹ اور مسٹر اسکاٹ سفاکانہ طور پر مار ڈالے گئے۔

الائینس بنک پر حملہ کیا گیا، اس کے مینیجر مسٹر تھامسن نے پستول سے اپنی مدافعت کی، وہ بالکنی سے سڑک پر کود گئے، جہاں لوگوں نے انہیں پکڑ لیا اور بنک کے فرنیچر پر مٹی کا تیل چھڑکا، اور انہیں اس میں ڈال کر آگ لگا دی۔ بنک کی عمارت اس لیے نہیں جلائی گئی کہ ہنٹر کمیٹی کے مطابق وہ ایک ہندوستانی کی ملکیت تھی۔

یہی حشر چارٹرڈ بینک کا ہوا۔

یہ تینوں بنک کوتوالی سے تھوڑی دور واقع تھے، پولیس صرف تماشائی

بنی رہی ۔

خان صاحب احمد جان ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جو تیس سال کے ملازم سرکار تھے ۔
اور محمد اشرف خان سٹی انسپکٹر جن کی مدت ملازمت ۲۵ سال تھی اپنی جگہ سے ہلے
تک نہیں بلکہ اپنی آنکھوں دیکھتے انھوں نے مجمع کو ٹاؤن ہال بھی خاک کا ڈھیر
کر لینے دیا جو کوتوالی سے ملا ہوا تھا ۔ ہنٹر کمیٹی نے ان دونوں پولیس افسروں کے
رویہ پر سخت نکتہ چینی کی ہے ۔

مجمع کوتوالی کے پاس سے ہندو مسلم اتحاد زندہ باد، اعدستیہ پال اور کچلو
کو رہا کرو کے نعرے لگاتا ہوا گزرا ۔ پولیس نے اسے روکنے کی ذرا کوشش نہ کی ۔
تیس ہزار کا مجمع خلاف قانون جب ریلوے کراسنگ سے پیچھے دھکیلا گیا ،
تو یہ شہر کے مختلف علاقوں میں پھیل گیا ۔ مسٹر ارونگ کے بیان کے مطابق یہ
تشدد پر ہر طرح سے اترا ہوا تھا ۔ ایک گروہ شہر کی طرف مڑ گیا ۔

ایک ٹولی نے ریلوے گڈس یارڈ کا رخ کیا ، دوسرا جتھہ تار گھر کی جانب
بڑھا ۔ اگرچہ فوج کی جمعیت میں اضافہ ہو گیا تھا لیکن مجمع نے تار گھر کو تہ و بالا کر ڈالا ۔
اور مسٹر رابنسن کو قتل کر دیا ۔ جو صرف ایک چھڑی سے مسلح تھے ۔

لالہ جیون لال سی آئی ڈی انسپکٹر کا کہنا ہے کہ مجمع کے لوگ چیخ رہے
تھے ۔ انگریزوں نے ہمارے آدمیوں کو مارا ہے ، ہم انہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے
تار اور ٹیلیفون کے تمام تار کاٹ ڈالے گئے تھے ۔ کئی ٹرینیں پٹری سے اتار دی

گئیں۔ اور ریلوے کے متعدد گودام لوٹ لیے گئے۔

اسی اثناء میں ایک بہت بڑا مجمع مِل کی طرف بڑھا، مسٹر اروننگ اور مسٹر ٹیلپر فوجیوں کو لے کر فوراً وہاں آپہنچے اور مجمع سے منتشر ہونے کو کہا۔ شہر کے دو وکیل میر مقبول محمود[1] اور گردیال سنگھ سلاریا بھی مجمع سے درخواست کرنے آموجود ہوئے۔ لیکن مسٹر سلاریا کے بیان کے مطابق بغیر کسی وارننگ کے مجمع پر فائرنگ شروع کر دی گئی۔ حالانکہ یہ لوگ اپنے مقتولین و مجروحین کا مطالبہ کر رہے تھے کہ انہیں لے کر جائیں گے۔ وہ اور میر مقبول محمود محض ایک معجزہ تھا کہ بچ گئے۔ میر مقبول محمود کا بیان ہے فائرنگ سے مجمع تتر بتر ہو گیا، لیکن بھاگتے ہوئے لوگوں پر بھی فائرنگ کا سلسلہ جاری رکھا گیا۔ چنانچہ بہت مقتولین کی پیٹھ میں گولیاں لگی تھیں۔ مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ یہ فائرنگ قطعاً ناواجب، غیر ضروری اور سفاکانہ تھی، اگر گولیاں پاتوں پر چلائی جائیں تو بھی مجمع بڑی آسانی سے منتشر ہو جاتا۔

لیکن ہنٹر کمیٹی اس فائرنگ کو بھی جائز قرار دیتی ہے۔

---

[1] بہت قابل اور ذہین انسان تھے۔ اسمبلی کے ممبر رہے۔ بعض ریاستوں میں وزیر رہے۔ تقسیم ہند تک ایوان والیان ریاست (پرنسز چیمبر) کے سکرٹری رہے۔ تقسیم ہند کے بعد کراچی میں کاروبار شروع کیا۔ ۱۹۴۹ء میں ہوائی جہاز کے ایک حادثے میں ہلاک ہو گئے ـــــــ سردار شوکت حیات خاں ان کے داماد ہیں۔ (مترجم)

میر مقبول محمود کا بیان ہے :-

"یہ ایک معجزہ تھا کہ ہماری جان سلامت رہ گئی۔ میں اب بھی اس رائے پر قائم ہوں کہ اگر حکام نے ذرا تحمل سے کام لیا ہوتا تو ہم مجمع کو پُر امن طور پر واپس کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔

سب سے زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ حکام نے فائرنگ کا کرنے سے پہلے ایمبولینس کار یا فسٹ ایڈ کا کوئی بندوبست نہیں کیا، کئی مجروح مرنے سے بچ جاتے اگر بروقت انہیں طبی مدد مل گئی ہوتی۔

کئی لب مرگ زخمیوں کے منہ میں پانی ڈالتے ہوئے بڑے جگر فگار اور دل دوز واقعات میری نظر سے گزرے!"

- فائرنگ
- تڑپتی ہوئی لاشیں
- پھڑکتے ہوئے جسم
- بہتا ہوا انسانی خون

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

تماشہ

قیامت کی گھڑی قریب آرہی تھی ۔ !

قریب تر آتی جارہی تھی !

وہ گھڑی جسے خون آشام ڈائرنے " ایک بہت بڑا تماشہ " قرار دیا تھا ۔

یہ تماشہ شروع ہو رہا تھا !

انسانی خون کی ارزانی کا تماشہ !

○

۱۰ اپریل کو جالندھر میں جنرل ڈائر کو ۴ بجے سہ پہر کے وقت خفیہ پیغام ملا کہ مسلح فوجی دستے اسلحہ اور طیارے فوراً امرتسر بھیجے جائیں۔

سوا پانچ بجے، مزید اطلاع جنرل ڈائر کو بذریعہ ٹیلیگرام بھیجی گئی کہ کشت و خون، بلوہ، آتش زنی، لوٹ مار اور قتل کا بازار امرتسر میں گرم ہے اور انگریز بدفِ ستم بنائے جا رہے ہیں۔ چنانچہ جنرل ڈائر نے مطلوبہ امداد سے زیادہ فوجی مدد جالندھر سے امرتسر بھیج دی۔

لیکن کچھ ہی دیر بعد جنرل ڈائر کو ہدایت خود امرتسر جانے کا حکم دیا گیا اور تاکید کی گئی کہ بحالیٔ امن کے سلسلے میں جو کچھ مناسب سمجھیں کریں۔

"ایک بہت بڑا تماشہ بس شروع ہونے والا ہے!" جنرل ڈائر نے اپنے بیٹے کیپٹن آئون ڈائر سے کہا۔ "میرے اتنے وقت تاکید کی: اپنی ماں اور گھر والوں کا خیال رکھنا!"

---

۱۱ اپریل امرتسر میں خیریت سے گذر گئی، صبح صبح ڈپٹی کمشنر کو اطلاع ملی کہ ایک بڑا مجمع مقتولین کی لاشوں کی تجہیز و تکفین میں شروع ہونے کے لیے بڑھتا جا رہا ہے۔

ڈپٹی کمشنر نے میر قبول محمود اور مسٹر یاسین سے استدعا کی وہ اس اجتماع کو باخبر کردیں کہ ایک لاش کے ساتھ چار آدمیوں سے زیادہ نہیں جا سکتے۔ کانگریس کی تحقیقاتی سب کمیٹی کے سامنے بیان دیتے ہوئے میر قبول محمود نے کہا۔

"ہم نے ڈپٹی کمشنر کے حسب ہدایت مجمع کو اس کا پیام پہنچا دیا، لیکن لوگوں کے تیور بگڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا یہ ایک مذہبی معاملہ ہے۔ ہم مجمع کے چند نمائندوں کو لے کر ڈپٹی کمشنر کے پاس واپس آئے۔ اور ساری صورت حال واضح کر دی۔ صاحب بہادر بہت غصے میں تھے اور دفورِ غضب سے ان کا سارا بدن کانپ رہا تھا، انہوں نے چیخ کر کہا۔

"زیادہ گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں ہمارے لوگوں کی لاشیں جل کر کوئلہ ہوگئی ہیں۔ ہم نے انگریز مقتولین کے لیے اظہارِ افسوس کیا اب تو وہ اور زیادہ چراغ پا ہوگئے اور دھاڑ کر کہنے لگے۔

"اب تمہیں افسوس ہے، حالانکہ تمہیں اس وقت متاسف ہونا چاہئیے تھا جب تم اپنے احمقانہ اجتماعات میں شریک ہو رہے تھے اور وقت آنے والا ہے جب تم

واقعی مناسب نظر آؤ گے ؟"

ہم نے نرم لہجہ میں جواب دیا۔

"ہم نے کسی احتجاجی اجتماع میں نہ شرکت کی، نہ اس سے خطاب کیا۔ اور واپس چلے آئے۔ کرنل اسمتھ اس موقع پر موجود تھے۔ انھوں نے رائے دی کہ مجمع منتشر کرنے کی بہترین تدبیر مباری ہے ؟"

ڈاکٹر محمد عبداللہ فوق نے اپنے بیان میں کہا۔

"پھر کو قبرستان اور شمشان بھومی میں لاشیں ٹھکانے لگادی گئیں۔ لوگ بعث یہ سمجھتے کہ قومی شہیدوں کے آخری رسومات ادا کرنے میں بھی وہ آزاد نہیں ہیں ؟"

کمشنر کیچن (KITCHIN) امرتسر آگئے تھے۔ اب انہیں اطلاعات ملنے لگیں کہ امرتسر اور لاہور کے مابین آبادی پر ریلوے لائن کاٹ دی گئی ہے مال گاڑیاں پٹری سے اتار دی گئی ہیں۔ گورداسپور اور دہاری وال پر ٹیلیگراف لائن منقطع کر دی گئی ہے۔ دیہاتیوں سے بھرا ہوا مجمع شہر کی طرف لوٹ مار کے لیے بڑھ رہا ہے۔

کمشنر نے ہنٹر کمیٹی کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا۔

"ہمارا پیمانۂ صبر ان حالات نے چھلکا دیا تھا۔"

حکومت کی طرف سے فوج ناکے ناکے پر متعین کر دی گئی۔ اور اسے یہ ہدایت کی گئی کہ اگر دس آدمیوں سے زیادہ کہیں مجمع نظر آئیں تو فوراً گولی سے مار دیا جائے۔

شام کو ڈاکٹر بشیر کے مکان پر ایک بڑا اجتماع ہزاروں آدمیوں کا ہوا۔ ڈاکٹر فونن کا بیان ہے شہر سے باہر انگریزوں کی حکومت تھی اور شہر کے اندر ہندو مسلم راج تھا۔

جنرل ڈائر جب امرتسر پہنچے تو مسٹر اروِنگ نے صاف صاف کہہ دیا "حالات ہمارے قابو سے باہر ہو چکے ہیں۔ اب آپ ہی سنبھالیے۔ انھوں نے نظم و امن کا چارج لے لیا۔ ان کے پاس ۴۷۵ انگریز سپاہی اور ۷۱۰ ہندوستانی سپاہی تھے اور ڈیڑھ لاکھ کی آبادی رکھنے والا شہر آزادی کا دیوانہ بنا ہوا تھا۔

ساڑھے بارہ بجے رات کو جنرل ڈائر چند سپاہیوں کے ساتھ کوتوالی پہنچے اس وقت کوئی مجمع نہیں تھا، لیکن عمارتوں میں جو آگ لگائی گئی تھی وہ اب تک سلگ رہی تھی۔

دوسرے دن صبح کو جنرل ڈائر نے اعلان کر دیا کہ جو شخص کسی عمارت کو نقصان پہونچائے گا یا قانون شکنی کرے گا، یا جلوس اور جلسوں میں حصہ لے گا، اس کے

امرتسر کے روزنامچۂ جنگ (WAR DIARY) کے مطالعہ سے

معلوم ہوتا ہے کہ :-

۱۳ر اپریل ۱۹۱۹ء کو فائرنگ کے بعد مجمع منتشر ہو گیا۔

۱۶۵۰ راؤنڈ چلائے گئے۔

۲۰۰ کے قریب مقتول و مجروح ہوئے۔

شہر پر خاموشی طاری تھی، اور اس رات جب جنرل ڈائر نے گشت کیا تو ایک متنفس بھی نہیں دکھائی دیا۔ اور یہ ممکن کس طرح تھا کہ کوئی متنفس دکھائی دیتا۔ کیا قبرستان میں زندگی چلتی پھرتی دکھائی دے سکتی ہے؟ کسی ویرانے میں وہ رونق کہاں جو آبادی میں نظر آتی ہے؟

اور ڈائر اس شہر کی آبادی کا صفایا کرنے پر تُلا تھا۔!

ڈائر جو رحم کرنا نہیں جانتا تھا۔!

ڈاکٹر صاحب اپنے وطن میں نہ رہ سکے، چونکہ پاکستان کے مخالف تھے لہٰذا لاہور کے بجائے دہلی جا کر بس گئے، گھر چھٹا، ساز و سامان لٹا، لیکن کانگریس نے خبر بھی نہ لی۔ دو سال ہوئے دہلی میں انتقال ہو گیا۔ انتقال کے بعد تعزیت کے لئے جواہر لال نہرو ڈاکٹر صاحب کے غریب خانے پر چند منٹ کے لئے تشریف لے گئے تھے۔

کشتۂ غمزۂ خود را بہ تماشا نہ آمدہ!

(مترجم)

مارشل لا

امرتسر کے نہتے شہریوں پر گولی چلانے، اور انہیں خاک و خون میں تڑپانے کے بعد بھی، خون آشام ڈائر کو تسلی نہیں ہوئی۔

وہ ابھی اور ظلم توڑنا چاہتا تھا!

اس نے تلوار میان میں کر لی تھی، لیکن کوڑا اس کے ہاتھ میں تھا۔

وہ کوڑے سے تلوار کا کام لینا چاہتا تھا۔

۵

یوں تو جلیانوالا باغ کے المیہ کی اطلاع لاہور فوراً ہی پہنچ گئی تھی لیکن ۱۹ اپریل کو مسٹر ویتھن (MR. WAYTHEN) پرنسپل خالصہ کالج امرتسر اور مسٹر جیکب آئی سی ایس ڈپٹی کمشنر امرتسر کا خط لے کر لاہور وارد ہوئے، سر اوڈائر اور مسٹر کیچن نے ساتھ ساتھ فوراً اشتیاق سے بے بس ہو کر اسے پڑھا، مسٹر ارونگ نے لکھا تھا۔

حکم امتناعی کے باوجود جلیانوالا باغ میں جلسۂ عام کا اعلان کیا گیا۔ جنرل ڈائر نے کہا۔ میں اس جلسے میں جاؤں گا، میرا خیال تھا اول تو یہ جلسہ ہوگا نہیں اور اگر ہوا بھی تو آسانی سے منتشر ہو جائے گا، لہٰذا میں جنرل سے اجازت لے کر قلعہ چلا گیا۔ وہاں مجھے کچھ دیر بعد پتہ چلا کہ جلسے میں پانچ ہزار سے زیادہ لوگ موجود تھے، اور بغیر کسی انتباہ کے فوج نے بے تحاشہ گولی چلائی۔ جس کا سلسلہ دس منٹ تک جاری رہا، اور تقریباً دو سو آدمی ہلاک ہوئے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں موقع واردات پر موجود نہ تھا لیکن یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مجمع کو منتشر کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ سختی کی گئی، اس کارروائی کا میں تصور

بھی نہیں کر سکتا تھا !"

پنجاب کے لفٹیننٹ نے جنرل ڈائر کے اس اقدام پر کسی طرح کا اظہار خیال نہیں کیا، لیکن ہنٹر کمیٹی کے سامنے انھوں نے کہا۔

یہ موقع بحث و اعتراض کا نہ تھا، میں نے جنرل ڈائر کے اقدام کو سراہا۔ اس طرح انھوں نے نہ صرف امرتسر کو باغیوں سے بچا لیا تھا بلکہ نواحات کی بغاوت بھی فرو کر دی تھی۔

۱۳ر اپریل کو جنرل بینن (BEYNON) اور چیف جسٹس ہائی کورٹ سر ہنری ریٹگین (SIR HENRY RATTIGAN) سے مشورہ کرنے کے بعد لفٹیننٹ گورنر سر مائیکل اوڈائر نے حکومتِ ہند سے بذریعہ وائرلیس مارشل لا نافذ کرنے کی اجازت طلب کی جو فوراً دے دی گئی اور پنجاب میں مارشل لا نافذ کر دیا گیا۔

۱۹۲۴ء میں سر مائیکل اوڈائر نے انکشاف کیا کہ ۱۲ر اپریل ۱۹۱۹ء کو شملہ سے وزارت داخلہ کے ایک ذمہ دار افسر نے فون پر ان سے گفتگو کرتے ہوئے کہا تھا۔

" اگر فائرنگ کرنا ہی پڑی تو وہ مثالی ہو گی ! "

○

گوجرانوالہ کے حالات بھی امرتسر کی طرح قابو سے باہر ہو گئے مگر فوج اتنی تعداد میں نہ تھی کہ بھیجی جا سکتی۔ چنانچہ طے یہ ہوا کہ تین طیارے بھیجے جائیں اور یہ شورش پسندوں پر مشین گن چلائیں، بمباری صرف اس وقت کی جائے، جب ناگزیر ہو جائے۔

کیپٹن کاربری (CARBERRY) پہلا طیارہ لے کر اڑے۔ انہوں نے ایک مجمع پر دو بم پھینکے، پھر نیچی پرواز کرتے ہوئے مشین گن چلائی۔ ہلاک شدگان میں ایک عورت بھی تھی اور ایک بچہ بھی۔ کچھ آدمی زخمی بھی ہوئے۔

ہنٹر کمیٹی نے اس ساری کارروائی کو جائز قرار دیا، کیونکہ انگریزوں کی جان بچانے کی اس کے سوا کوئی صورت نہ تھی۔

۱۶ اپریل کے بعد نہ کوئی بلوہ ہوا، نہ کہیں فائرنگ کی گئی، جلیانوالا باغ کے واقعہ نے ساری شورش ختم کر دی تھی۔

ہنٹر کمیٹی کے سامنے گواہی دیتے ہوئے، سر مائیکل اوڈائر لفٹیننٹ گورنر[1] نے کہا۔

"یہ بات بغیر کسی تامل اور تذبذب کے میں کہہ سکتا ہوں کہ جنرل ڈائر کا یہ اقدام ——— جلیان والا باغ میں فائرنگ ——— بغاوت (اور غدر کو بھی) کچلنے میں فیصلہ کن ثابت ہوا!"

ورنہ نہ جانے کیا ہو جاتا!

---

[1] اس وقت تک قاعدہ یہ تھا کہ صرف پریسیڈنسی کا حاکم اعلیٰ گورنر کہلاتا تھا۔ باقی صوبوں کے حکمرانوں کو "لفٹیننٹ گورنر" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ پریسیڈنسی چار تھیں سارے ہندوستان میں۔

(۱) برما

(۲) بنگال

(۳) بمبئی

(۴) مدراس

برما اس وقت تک متحدہ ہندوستان میں شامل تھا۔

(مترجم)

مارشل لا میں لوگوں پر کیا گزری!

اب امرتسر میں مارشل لا نافذ تھا!

فوجی راج!

انگریزی فوج کا راج!

اس راج میں وہ رہی سہی کسر بھی پوری کر لی گئی جو فائرنگ کے وقت باقی رہ گئی تھی!

جوشِ انتقام عروج پر تھا۔

اور انتقام لینے کا بہترین طریقہ تھا مارشل لاء!

○

○

۱۵ اپریل سے امرتسر میں مارشل لاء نافذ ہو گیا، جنرل ڈائر ایڈمنسٹریٹر مقرر ہوئے۔

ہنٹر کمیٹی نے سخت الفاظ میں جنرل ڈائر کے اس حکم پر تنقید کی ہے جس کی رو سے ایک خاص گلی میں لوگوں کو رینگ کر چلنا پڑتا تھا۔

جنرل ڈائر نے ایک حکم صادر کیا تھا کہ کوچہ کوڑھیاں والا بند کر دیا جائے جہاں مس شیرووڈ کو ایک مجمع نے بری طرح زدوکوب کیا تھا۔ اور جب انھوں نے پناہ لینے کے لیے ایک گھر میں داخل ہونا چاہا تو اس کے دروازے بند کر دیے گئے اور کسی نے ان کی مدد نہیں کی۔

یہاں ایک ٹکٹھی ان لوگوں کے لیے بنایا گیا، جنہیں سزا کے تازیانہ دینا تھی، اور جو اس حادثے کے ذمہ دار تھے۔ فوجی پہرہ گلی کے ہر نکڑ پر بیٹھا دیا گیا اور حکم دیا گیا جو یہاں سے گزرنا چاہے وہ رینگ کر گزرے، چند روز بعد لفٹیننٹ گورنر کی مداخلت پر یہ حکم واپس لے لیا گیا۔ اس عرصے میں چالیس پچاس آدمی یہ ننگ گوارا کر چکے تھے۔

کانگریس کی تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے بیان دیتے ہوئے، کنھیا لال نے کہا۔

مجھے بندوق کے کندے مار مار کر پیٹ کے بل رینگنے پر مجبور کیا گیا،

یں سانس لینے کے لیے رک جاتا تو پھر پٹائی ہوتی۔ بوڑھوں اور اندھوں اور اپاہجوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا۔ بھنگیوں نے آنا چھوڑ دیا تھا لہذا یہ گلی گندگی کا پٹارا بن گئی تھی، یہاں کے رہنے والے لوگ ضروریاتِ زندگی حاصل کرنے کے لیے بھی باہر نہیں جا سکتے تھے۔

ڈائر کے اس فعل کو وائسرائے ہند لارڈ چیمسفورڈ نے بھی سخت ناپسند کیا تھا۔ اور حکومتِ ہند نے اسے "نامناسب" قرار دیا تھا۔

لاہور اور امرتسر وغیرہ کے یورپین یقین رکھتے تھے کہ ان کے قتلِ عام میں کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی۔ وہ صرف جنرل ڈائر تھا جس نے اپنے بروقت اقدام سے انہیں بچا لیا۔

اور یہی وجہ تھی کہ فرنگی سامراج کے مداحوں نے فرنگیوں سے زیادہ جنرل ڈائر کو سراہا اور مانا!

جنرل ڈائر سے سکھوں کی عقیدت

یہ عجیب وغریب تاریخی حقیقت عبرتناک بھی ہے اور سبق آموز بھی کہ سب سے زیادہ نقصان انگریزوں نے سکھوں کو پہنچایا، لیکن سکھ ہمیشہ ان کے عقیدت کیش، نیازمند اور فدائی بنے رہے۔

مسٹر (RUPERT FURNEAUX) نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔

جنرل ڈائر نے سکھوں کو اپنا اتنا زیادہ گرویدہ بنا لیا تھا کہ گولڈن ٹمپل میں اس کے لیے ایک خاص تقریب منعقد کی گئی اور اس سے درخواست کی گئی کہ وہ سکھ مذہب قبول کر لے لیکن اس نے کہا کہ نہ میں بال بڑھا سکتا ہوں نہ تمباکو نوشی ترک کر سکتا ہوں، اسے

ان قیود سے بھی مستثنیٰ کر دیا گیا ۔ اس نے مسکرا کر شکریہ ادا کیا اور خاموش ہو گیا ۔

۔ بعد میں جب حکومتِ ہند اور حکومتِ افغانستان کے مابین جنگ کا امکان پیدا ہوا تو بعض سکھ لیڈروں کی طرف سے دس ہزار سکھ سپاہیوں کی اس شرط کے ساتھ پیشکش کی گئی کہ ان کا سپہ سالار جنرل ڈائر ہو ۔"

کہیں ڈائر سے سکھوں کی یہ عقیدت مسلم دشمنی پر تو مبنی نہیں تھی !

قصور ڈھونڈ کے پیدا کیے جاتے ہیں

حقیقت اور امر واقعہ یہ ہے کہ ڈائر نے جور و ستم، سفاکی اور خون آشامی
درندگی اور بہیمیت کا مظاہرہ کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا،
اس نے دنیا کو بتا دیا کہ انسان جب جامۂ انسانیت اتار دیتا ہے تو وہ
درندوں سے کہیں زیادہ آگے بڑھ جاتا ہے۔
بلکہ درندے بھی اس سے شرمانے لگتے ہیں !

O

بہرحال بلوہ، بغاوت، شورش جو کچھ بھی نام رکھا جائے ختم ہو گئی، بلکہ کچل دی گئی، لیکن ابھی خطاکاروں کو سزا دینے کا کام باقی تھا۔

کانگریس سب کمیٹی کے سامنے جو بیانات دیے گئے، ممکن ہے وہ مبالغہ آمیز ہوں، اس لئے کہ وہ حد درجہ سفاکانہ مظالم کی نشان دہی کرتے ہیں۔

لیکن خود ہنٹر کمیٹی نے اسے تسلیم کیا ہے کہ مارشل لاء حکام نے نہایت نامناسب، غیر انسانی اور وحشیانہ طریقے استعمال کیے۔ یہ کوئی دشمن ملک نہ تھا جسے فتح کیا گیا ہو۔ اپنا مقبوضہ تھا۔ یہاں مارشل لاء کا استعمال اس طرح ہونا چاہیے تھا کہ کم سے کم تلخی اس کے بعد باقی رہتی۔

سزائے تازیانہ کی تفصیل جو مارشل لاء کے تحت دی گئی یہ ہے

لاہور	۸۰
قصور	۸۵
گوجرانوالہ	۴۰
گجرات	۳۲
امرتسر	۳۸

شروع شروع میں سزائے تازیانہ مجمع عام میں دی جاتی تھی لیکن وائسرائے کی مداخلت سے بند کر دی گئی۔

۵۸۱ لوگوں پر بغاوت کے الزام میں لاہور میں مقدمہ چلایا، ۱۰۸ کو موت کی سزا ملی، ۲۶۵ کو حبس دوام بعبور دریائے شور کا حکم ہوا، ۵ کو دس سال کی سزا دی گئی، ۸۵ کو سات سال کی باقی کو مختلف مختصر میعادوں کی، صوبائی حکومت نے ۲۳ لوگوں کی سزائے موت بحال رکھی۔ باقی کی سزائیں تخفیف کر دیں، جو کالے پانی سے لے کر پانچ سال تک کی سزا تھی۔

۱۹۱۹ء کے آخر میں بادشاہ کی طرف سے عفو عمومی کا اعلان ہوا، جس کے باعث بہت سے لوگ رہا کر دیے گئے۔ کئی مارشل لا افسروں پر ہنٹر کمیٹی نے ان کے ظالمانہ رویہ کے خلاف سخت تنقید کی۔

قصور کے ایک سکول کے طلبہ پریڈ کر رہے تھے، انہیں سزائے تازیانہ دی

گئی کہ ان میں سے چھ لڑکے جو تگڑے ہوں، چن لیے جائیں اور انہیں بید مارے جائیں
ایک ہیڈ مین کو ایک درخت سے باندھ کر پندرہ کوڑے اس لیے مارے گئے کہ اس نے ٹیلیگراف تار کاٹنے کی اطلاع سرکار کو کیوں نہیں دی، بعد میں معلوم ہوا جہاں یہ واقعہ ہوا تھا یہ ہیڈ مین وہاں کا سرے سے تھا ہی نہیں
جن لوگوں کے مکانوں کی دیواروں پر لاہور میں مارشل لا سے متعلق اعلانات چسپاں کیے گئے یہ ان کی ذمہ داری تھی کہ شب و روز چوکس ہو کے دیکھتے رہیں کہ انہیں کوئی نوچتا یا پھاڑتا تو نہیں ہے؟ بصورت دیگر ذلت آمیز سزائیں انہیں دی گئیں،

کرنل جانسن نے ہنٹر کمیٹی کے سامنے اقرار کیا کہ دھرم کالج کے اساتذہ اور طلبا کو تین میل دوڑا کر دن بھر دھوپ میں اس لیے کھڑا رکھا گیا کہ وہاں مارشل لا کا پوسٹر پھاڑ دیا گیا تھا۔ ان سے جب یہ پوچھا گیا کہ کیا آپ نے کچھ طلباء کو ۷ امیل دوپہر کی دھوپ میں پیدل چلایا تو انھوں نے احتجاج کیا: "جی نہیں! سولہ میل!"
ملک محمد حسین نے تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے بیان کیا کہ ایک فوجی افسر نے انہیں مارا۔ اپنے آپ کو بچانے کے لیے انھوں نے اس کی ضرب ہاتھ پر روکی۔ اس جرم میں وہ گرفتار کر لیے گئے اور انہیں کوڑے لگائے گئے۔

میاں اللہ بخش کا بیان ہے کہ جب مجمع عام میں بید کی سزا دی جاتی تھی، تو انگریز خوش ہو ہو کر چیختے تھے "اور مارو، زیادہ زور سے کوڑا لگاؤ" اور انگلش لیڈیاں مسکرا کر سزائے تازیانہ پانے والوں کی چیخیں سنتی تھیں۔

قصور کے قریب ایک بارات کی بارات پکڑ لی گئی کہ اس نے کرفیو توڑا تھا۔ اور سب کو سزائے تازیانہ دی گئی۔

ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وحشیانہ اور ظالمانہ سزائیں دینے میں صرف جنرل ڈائر ہی فردِ فرید نہیں تھے۔ ان کے رفقا بھی ان سے کم نہ تھے۔ اور ایسا ہوتا بھی کیوں؟ درخت اپنے پھل ہی سے تو پہچانا جاتا ہے!"

ڈائر : ایک ہیرو

امرت سر میں گولی چلا کر ڈائر نے بہت بڑی خدمت انجام دی تھی،
انسانیت کی نہیں، برطانوی سامراج کی!
اور اس خدمت کے صلے میں اسے اپنی قوم کی طرف سے تبریک و تحسین
کے خلوص اور محبت سے بھرے ہوئے تحفے بھی ملے۔

کانگریس کی تحقیقاتی کمیٹی نے جلیانوالہ باغ کے حادثے کو اثرات و نتائج
کے اعتبار سے "ڈرامائی، اور پکڑا دینے والا قرار دیا ہے!"

سوال یہ ہے کہ ڈائر کے اقدام نے شورش پیدا کی یا کسی بغاوت کو کچلا ؟

سر مائکل اوڈائر نے اس شورش کا سلسلہ جنگ افغانستان (مئی ۱۹۱۹ء) سے ملایا ہے۔ ان کے خیال میں یہ ایک منظم سازش تھی، جس کا مقصد افغان حملہ آور دل کا استقبال کرنا تھا، یہ "ماسٹر پلان" ڈائر نے ناکام بنا دیا۔

لیکن جیسا کہ خود اوڈائر نے بتایا ہے ہنٹر کمیٹی نے پنجاب کی شورش اور حملۂ افغانستان میں کسی طرح کا ربط ماننے سے انکار کر دیا۔

ڈائر کے سراغ نگار مسٹر کولون (COLVIN) کا بیان ہے کہ ڈائر مئی ۱۹۱۹ء میں جنگ افغانستان سے جب کامیاب واپس آیا تو کمانڈر انچیف سر چارلس مونرو (MONRO) نے اسے مبارک باد دی، جس میں اس کے امرتسر کے اقدام پر کسی طرح کی بداعتمادی کا اظہار نہیں تھا۔ چونکہ اس کی قسمت خراب تھی لہذا سر چارلس مونرو نے اسے اس دن کی چھٹی دے کر تبادلۂ آب و ہوا کے لئے ڈلہوزی جانے کی اجازت دے دی۔

۲۰ اگست کو ڈائر شملہ میں طلب کیا گیا جہاں سر چارلس مونرو نے اسے حکم دیا کہ وہ امرتسر سے متعلق ایک تحریری رپورٹ پیش کرے، اس سے اس کے دل میں کوئی شبہ نہیں پیدا ہوا کیونکہ پارلیمنٹ میں بیان دیتے ہوئے وزیر ہند مسٹر مانٹیگو نے بھی پنجاب کی شورش کو "بغاوت" سے تعبیر کیا تھا۔ لیکن سانحہ سانحہ آگ ٹھنڈی ہو جانے کے بعد فائرنگ کی تحقیقات کا وعدہ بھی کیا تھا۔

ڈائر اس کا تصور بھی نہ کر سکتا تھا کہ فائرنگ کے اقدام کو ایک طرف تو اتنا سراہا جائے گا، دوسری طرف اسے اور اس کے ساتھیوں کو تحقیقاتی کٹہرے میں کھڑا کر دیا جائے گا، یہ مسٹر کولون کے تاثرات ہیں، وہ مزید کہتے ہیں۔

"بہرحال اپنے اقدام و عمل پر مطمئن، ڈائر شملہ سے ڈلہوزی پہنچا اور رپورٹ تیار کرنا شروع کر دی۔ ڈائر کو پتہ بھی نہیں تھا کتنے طاقتور عناصر اس کے خلاف مصروف جدوجہد ہیں۔

مسٹر لیونارڈ موسلے نے اپنی کتاب "برطانوی راج کے آخری دن" میں لکھا ہے۔

> پنجاب میں مارشل لا جس طرح نافذ ہوا اور جس طرح سینکڑوں جانیں ضائع ہوئیں، اس نے ان لوگوں کو بھی جو برطانیہ کے دل سے وفادار تھے بدگمان کر دیا اور وہ سمجھنے لگے کہ ان کی جان کتنی بے وقعت ہے۔ وہ بھیڑ بکری کی طرح ہر وقت اپنے آقاؤں کے ہاتھوں ذبح کیے جا سکتے ہیں۔ اس المیہ نے کانگرس میں ان لوگوں کو بھی پہنچا دیا جو کبھی ادھر کا رخ بھی نہیں کرتے تھے۔

یہ بات حکومتِ برطانیہ اور حکومتِ ہند نے بھی محسوس کر لی۔ چنانچہ عوامی جذبات کو ٹھنڈا کرنے اور روٹھے ہوؤں کو منانے کی تدبیریں سوچنی پڑیں۔ پھر یہ

بات یہی تھی کہ "مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحاتِ سیاسی" کے نفاذ کا وقت قریب آرہا تھا۔ جس کے لیے ہندوستانیوں کا تعاون درکار تھا۔

جنرل ڈائر نے ڈھوزی میں اپنی رپورٹ تیار کی۔ اس نے رپورٹ میں وہی باتیں لکھیں جن کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ ڈائر نے اپنی رپورٹ میں اور بھی بہت سی باتیں لکھی تھیں، مثلاً۔

"ہم میں شجاعت خوف کی شدت ہی پیدا کرتی ہے۔ میں نے اسی نقطۂ نظر سے صورتِ احوال کا جائزہ لیا۔ میری فرض اور فوجی جبلت کا تقاضا یہ تھا کہ بے تامل گولی چلا دوں، ایسا نہ کرتا تو ہماری حکومت ختم ہو جاتی اور ڈنڈا راج صوبے میں قائم ہو جاتا۔ سوال صرف یہی نہیں تھا کہ خلافِ قانون مجمع منتشر کیا جائے بلکہ فوجی نقطۂ نظر سے ضروری تھا کہ حاضرین ہی کو نہیں ان کے باہر کے ہم نواؤں اور ہم خیالوں کو بھی سبق دیا جائے لہذا ناواجب تشدد کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، چنانچہ میرے اس اقدام کی تعریف و توصیف میں باشندگانِ پنجاب کی بڑی تعداد رطب اللسان تھی جو ہزارہا ہزار پر مشتمل تھی۔ میرے اس اقدام میں تعجیل کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ میرے پاس سپاہی کم تھے۔ اگر میں مجمع کو سنبھلنے کا موقعہ دیتا تو ہم خود جان سے ہاتھ دھو

بیٹھتے ۔ اور پھر سارا ہندوستان آگ اور خون کی لپیٹ میں آجاتا
انگریزی مجسٹریٹوں ، میونسپل کونسلروں اور شہر کے دوسرے
سربرآوردہ لوگوں اور تاجروں نے میرے اقدام کی مدح وتحسین
کی اور کہا کہ اس طرح میں نے نہ صرف امرتسر کو ، نہ صرف پنجاب
کو بلکہ سارے ہندوستان کو مکمل تباہی اور خونریزی سے بچالیا ،

اپنی رپورٹ میں ڈائر نے مزید لکھا ۔

"۸ مئی کو یہ سلسلۂ جنگ افغانستان میں پشاور پہنچا ، اگر اپریل
میں امرتسر اور پنجاب کا امن میں نے بزور قوت نہ قائم کردیا ہوتا
تو مواصلات کا سلسلہ یکسر منقطع ہو چکا ہوتا !"

ڈائر نے یہ رپورٹ شملہ بھیج دی اور حالات کا انتظار کرنے لگا ۔

وہ مطمئن اور بے فکر تھا ۔

وہ ایک ہیرو بن چکا تھا ، جس نے پنجاب کو بچالیا ، اور ہندوستان کو ایک
دوسرے غدر سے محفوظ رکھا ،

اس نے ثابت کردیا تھا کہ لاکھوں نہتے لوگ ، مٹھی بھر مسلح سپاہیوں کا
بھی مقابلہ نہیں کرسکتے ۔ ،

طوفان کی آمد آمد

ڈائر اپنی جگہ مطمئن تھا،
اسے اپنے کارناموں پر فخر تھا!
وہ انعام کا متوقع تھا!
لیکن حالات رفتہ رفتہ تبدیل ہو رہے تھے،
آسمان کی گردش ایک نئے —— اور شاید ہولناک بھی —— طوفان
کی آمد آمد کا پتہ دے رہی تھی!

○

○

اکتوبر ۱۹۱۹ء کو حکومت کی طرف سے لارڈ ہنٹر کی صدارت میں تحقیقاتی کمیٹی قائم ہوئی جس کے سات ممبروں میں ایک مسلمان (صاحبزادہ سلطان احمد[1]) منتظم الدولہ، ایم اے کنٹیب، بیرسٹر ایٹ لاء، وزیر حکومت گوالیار، دو ہندو اور چار انگریز تھے۔

اسی اثناء میں ڈائر اپنی ڈیوٹی پر واپس آگیا۔ اور راولپنڈی کے قریب چکلالہ میں متعین ہوا۔

ایک ماہ کے بعد اسے پشاور تبدیل کر کے جمرود بھیج دیا گیا جس سے اس نے یہ نتیجہ ـــ بقول اس کے سوانح نگار مسٹر کولون کے ـــ نکالا کہ کمانڈر انچیف کو نہ صرف اس پر اعتماد ہے، بلکہ وہ اس کے مشکور بھی ہیں۔

مرکزی مجلس قانون ساز میں ڈائر کے اقدام کے خلاف بڑی لے دے ہوئی لیکن ڈائر کے افسرِ اعلیٰ اور پنجاب کے لفٹیننٹ گورنر، نیز سرکاری حکام

---

[1] یہ صاحبزادہ آفتاب احمد کے بھائی تھے اور مہاراجہ گوالیار کے وزیر اور معتمد خصوصی۔ (مترجم)

والانقام کی طرف سے برابر اس کے اقدام وعمل کو سراہا جاتا رہا، اور اس کے گن گائے جاتے رہے کہ یہ وہی تھا جس نے ہندوستان کو ایک نئے غدر سے محفوظ رکھا تھا اور پنجاب میں بغاوت برپا نہیں ہونے دی تھی۔

جب تحقیقاتی کمیٹی مقرر ہوئی تو بھی اسے اطمینان دلایا گیا کہ اس کو فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس کا ریکارڈ بالکل صاف ہے۔

قدرت کی چکی جو بہت دیر میں پیستی ہے
لیکن باریک پیستی ہے

یہ میں نے مانا کہ آج خنجر مرا گلو بھی نہیں رہے گا
مگر یہ قاتل کی تو بھی ظالم ہمیشہ یونہی نہیں رہیگا

قاتل کی سراسیمگی

بے شک ڈائر نے جو کچھ کیا تھا، اس کی تائید میں وہ اپنے پاس دلائل کا انبار بھی رکھتا تھا۔

اور اس کا خیال تھا کہ ان دلائل کے قبول کرنے سے کوئی انکار نہیں کر سکتا،

ان کا توڑ کسی کے پاس بھی نہیں ہے۔

لیکن جب وہ حکومت کی قائم کی ہوئی تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے پیش ہوا تو اس پر سراسیمگی کی کیفیت طاری ہو گئی، وہ حوصلہ ہار گیا!

○

O

ہنٹر کمیٹی نے دہلی میں آٹھ دن تک شہادتیں قلم بند کیں، ۲۹ دن اس نے لاہور میں صرف کیے، اور تین دن بمبئی میں، سر مائکل او ڈائر جنرل ہڈسن اور سر عمر حیات خاں[1] نے جو حکومت پنجاب کے پُر جوش حامی تھے، بند کمرے میں گواہی دی، لیکن ان پر جرح پبلک طور پر ہوئی۔

۹، نومبر کو جنرل ڈائر کو کمیٹی کا سامنا لاہور میں کرنا پڑا۔ لیکن اس موقع پر حالات اتنے بدل چکے تھے کہ بے یار و مددگار تھا۔ بقول اس کے سوانح نگار کے نہ کوئی دوست تھا نہ کوئی وکیل۔

جنرل بیٹن تک کسی حد تک مذبذب ہو چکے تھے جو اس کے افسر اعلیٰ تھے۔ پھر بھی انھوں نے اس سے کہا۔

"کمیٹی کے سامنے بیان دیتے وقت محتاط رہنا، سچ بولنا، بحث و گفتگو میں نہ الجھ جانا، تمہیں بڑے ماہر اور زبردست تین ہندوستانی قانون دانوں سے

---

[1] یونینسٹ پارٹی کے لیڈر ملک سر خضر حیات خاں ٹوانہ سابق وزیرِ اعظم پنجاب کے والد ماجد۔ (مترجم)

مقابلہ کرنا ہے۔

ڈائر نے جواب دیا۔

"مجھے کوئی اندیشہ لاحق نہیں ہے۔"

اور یہ کہہ کر وہ کمیٹی روم میں چلا گیا۔

اسے وکیل کر لینے کا مشورہ بھی دیا گیا تھا۔ لیکن اس نے اپنے کیس کی خود پیروی کرنے کو ترجیح دی۔

جنرل ہیٹن کی رائے میں یہ تحقیقاتی کمیٹی نہ تھی مجلس احتساب تھی۔

سرمائیکل اوڈوائر نے گواہی دینے کے بعد کہا۔

"میرے ساتھ وہ سلوک کیا گیا جو ایک مجرم کے ساتھ کیا جاتا ہے۔"

ڈائر نے کمیٹی کے سامنے جو تحریری بیان پیش کیا وہ اضطراب فکر کا آئینہ دار تھا اس کی سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ اس کا شریک کار بریگس جو ہر مرحلے میں ساتھ تھا بیمار پڑا تھا۔ اس سے کوئی مدد نہیں لی جا سکتی تھی۔ اور جب جرح کا وقت آیا تو کمیٹی کے ہندوستانی ممبروں نے اس سے کئی ایسی باتیں اگلوالیں جو اس کے اور اس کے بیان کے خلاف پڑتی ہیں۔

سر چمن لال سیتلواد نے سوال کیا۔

"آپ اپنے ساتھ دو آرمرڈ کاریں لیے گئے تھے؟"

" جی ہاں جناب !"

" یہ کاریں مشین گن سے لیس تھیں ؟ "

" جی ہاں جناب ۔۔"

" اور آپ کا یہ ارادہ تھا کہ ان مشین گنوں کو مجمع پر استعمال کریں گے ؟"

" جی ہاں ! بشرطِ ضرورت ! "

" جب آپ جلسہ گاہ پر پہنچے تو اپنی آرمرڈ کاریں اندر نہ لے جا سکے کہ راستہ تنگ تھا ، کیا واقعی ؟ "

" جی ۔"

" فرض کیجیے راستہ فراخ ہوتا اور آپ آرمرڈ کاریں ساتھ لے جا سکتے تو آپ مشین گن سے فائرنگ کرتے نا ! "

" یقیناً ۔"

" اس صورت میں مقتولین و مجروحین کی تعداد یقیناً بہت زیادہ ہوتی ۔ "

" بلاشبہ ! "

" اور آپ مشین گنیں صرف اس لیئے نہ استعمال کر سکے کہ راستہ تنگ تھا ؟ "

" یہی سمجھ لیجیے ۔ "

" آپ مشین گن فوراً جھونک دیتے ؟ "

" جی ہاں ۔۔ "

"کیا آپ کا اس اقدام سے یہ مدعا نہیں تھا کہ نہ صرف امرتسر کو بلکہ پورے پنجاب کو دہشت زدہ اور ہراساں کر دیں۔؟"

"میرے مدعا کے لیے جو الفاظ چاہئیے، استعمال کیجیے، بہرحال میں باغیوں کی حوصلہ شکنی کرنا چاہتا تھا۔!"

"کیا برطانوی راج خطرے میں پڑ گیا تھا؟"

"جی نہیں، برٹش راج بہت طاقتور ہے۔ اسے کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا، میں تو صرف یہ چاہتا تھا، غدر نہ برپا ہو۔"

ڈائر پر جرح کے ایسے پھندے ڈالے گئے کہ اسے یہ اقرار بھی کر لینا پڑا کہ جو لوگ زمین پر بیٹھ یا لیٹ گئے تھے ان پر بھی اس نے فائرنگ کرائی، اور زخمیوں کی امداد کا کوئی بندوبست اس نے نہیں کیا۔

پھر ڈائر کو پنڈت جگت نرائن[1] کی جرح کا سامنا کرنا پڑا۔

جگت نرائن نے ایسے تابڑ توڑ سوالات کیے کہ ڈائر کو تسلیم کرنا پڑا کہ ۱۰ اپریل کے بعد امرتسر میں کوئی بلوہ یا ہنگامہ نہیں ہوا تھا جس سے لازمی نتیجہ پیدا ہوا کہ ۱۳ ار کو اس نے جو فائرنگ کی وہ سراسر ناواجب اور غیر ضروری ہے۔

---

[1] بعد میں اودھ چیف کورٹ کے جج مقرر ہوئے۔ (مترجم)

صاحبزادہ سلطان احمد خاں کی جرح اور پے در پے سوالات سے بھی ڈائر کو وہ باتیں ماننا پڑیں جو اس کے خلاف جاتی تھیں۔

اس نے بہت سے ایسے اعتراف کیے جو اس کے لیے نقصان دہ تھے

اس نے اعتراف کیا کہ وہ فائرنگ کے بغیر بھی مجمع منتشر کر سکتا تھا لیکن اگر ایسا کرتا تو ہدفِ استہزا بن جاتا۔

اس نے یہ اقرار بھی کیا کہ اس نے جو منادی کرائی تھی وہ سب لوگوں تک نہیں پہنچ سکی۔

اس نے یہ بھی تسلیم کیا کہ بغیر وارننگ کے اس نے فائرنگ کی اور دس منٹ تک جاری رکھی کیونکہ مقصد سبق دینا تھا، دہشت پیدا کرنا تھا۔

وہ اس سے بھی انکار نہ کر سکا کہ فائرنگ اس نے مجبور ہو کر نہیں کی بلکہ عمداً کی۔

کانگریس تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ

ڈائر پھر جالندھر واپس آگیا۔

دل گرفتہ، بدحواس، سراپا اضطراب!

اس کی بیوی سخت بیمار تھی۔

اس کا محب صادق کیپٹن برگس وفات پا چکا تھا۔

خود ڈائر یرقان اور گٹھیا میں مبتلا تھا۔

عمر کی ۵۵ منزلیں اس نے بڑی شان سے طے کر لی تھیں۔ اور اب۔!

اس نے انگلستان جانے کے لیے چھ مہینے کی رخصت طلب کی۔

لیکن کمانڈر انچیف نے یہ درخواست مسترد کردی، ساتھ ہی ساتھ اسے ۱۴ جنوری ۱۹۲۰ء کو دوسرا حکم ملا جس کی رو سے اسے ایک ڈویژن کا کمانڈر بنا دیا گیا تھا۔ ہنٹر کمیٹی کے سامنے پیش ہونے کے دو مہینے بعد یہ ترقی عطا ہوئی۔ جس سے اس کے حامیوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ فوجی ہائی کمان کو اس پہ اعتماد کامل ہے۔

لیکن فروری میں یہ ترقی ختم ہوگئی۔

۱۴ جنوری اور ۱۴ فروری ۱۹۲۰ء کے درمیان اس تغیر احوال کے اسباب کیا تھے؟

کمانڈر انچیف ان سوالات کی تاب نہ لا سکا جو المیۂ امرتسر کے بعد ڈائر کی ترقی سے متعلق اس سے کونسل میں کیے گئے تھے[۱]

---

[۱] وائسرائے کی ایگزیکٹیو کونسل کے دوسرے ممبروں کی طرح کمانڈر انچیف بھی مرکزی مجلس قانون ساز میں اپنے محکمہ سے متعلق سوالات کا جواب دیتا تھا۔ یہ سلسلہ کم و بیش ۱۹۲۹ء تک جاری رہا۔ پھر ایک مرتبہ وٹھل بھائی پٹیل (سردار پٹیل کے بھائی) نے جو صدر مجلس قانون ساز تھے کمانڈر انچیف کو ٹوکا، جس سے وہ بہت برافروختہ ہوا۔ لیکن جب مسٹر پٹیل نے کئی مرتبہ بحیثیت صدر کے اس کی نخوت کو للکارا تو وہ تاب نہ لا سکا اور اس نے اجلاس میں شرکت ترک کردی۔ البتہ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل میں بحیثیت ممبر کے شریک ہوتا رہا۔ پھر انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے ماتحت اسے نہ کونسل سے سروکار رہا، نہ اسمبلی سے! (مترجم)

حکومتِ ہند میں سیاسی اصلاحات (مانٹیگو چیمسفورڈ رفارمس) کو کامیاب بنانے پر تُلی ہوئی تھی۔ کچھ اس لیے اور کچھ پریس کی بے محابا نکتہ چینی سے متاثر ہو کر ڈائر سے متعلق اپنا رویّہ بدل دیا۔

اب ڈائر بالکل تنہا تھا، — بے یار و مددگار، کوئی اس کا پشت پناہ تھا نہ ثنا خواں۔

وہ جالندھر کے ہسپتال میں بسترِ علالت پہ دراز تھا۔ اور نئے حالات کا متوقع اور منتظر کہ ۹ مارچ کو کمانڈر انچیف نے اسے دہلی طلب کر لیا لیکن ڈاکٹر نے سفر کی اجازت نہ دی۔

۲۲ اپریل کو پھر بذریعہ تار اسے طلب کیا گیا اور کمانڈر انچیف نے اسے حکم سنا دیا کہ وہ اپنے اعزاز سے محروم کیا جاتا ہے کیونکہ ہنٹر کمیٹی نے اس پہ عدمِ اعتماد کا اظہار کیا ہے۔

ہنٹر کمیٹی نے ڈائر کے خلاف جو فردِ جرم تیار کی تھی، اس کے دو پہلو سب سے زیادہ اہم تھے۔

ایک تو یہ کہ اس نے بغیر انتباہ کے فائرنگ کی،

دوسرے یہ کہ بھاگتے ہوئے لوگوں پہ بھی دس منٹ تک فائرنگ جاری رکھی۔

اس سے کا ایک اور جرم کمیٹی کے نزدیک یہ تھا کہ اس نے ہنگامی حالات کا اعلان کیے بغیر یہ سب کچھ کیا۔

حکومتِ ہند نے بھی ہنٹر کمیٹی کے ان الزامات کو قبول کرتے ہوئے ڈائر کو موردِ عتاب قرار دیا۔

ہنٹر کمیٹی نے دہلی، احمد آباد، وزیر آباد، گجرانوالہ، لاہور، قصور، گوجرانوالہ اور امرتسر میں جو فائرنگ کی گئی تھی حق بجانب قرار دیا۔ لیکن جلیانوالہ باغ کی فائرنگ کو مجرمانہ قرار دیا۔ اس سلسلے میں ڈائر کے علاوہ دوسرے فوجی افسروں پر بھی نکتہ چینی کی۔

انڈین نیشنل کانگرس کی تحقیقاتی کمیٹی نے اپنی رپورٹ ۲۰ر فروری ۱۹۲۰ء کو شائع کی جس میں جلیانوالہ باغ کے قتلِ عام کو معصوم، بے گناہ، اور نہتے لوگوں کے خلاف غیر انسانی اقدام قرار دیا۔ اور مطالبہ کیا کہ ڈائر کے خلاف مقدمہ چلایا جائے۔ اور وائسرائے کو برخاست کر دیا جائے۔

یہ رپورٹ ڈائر کی برطرفی کے ایک ماہ قبل شائع ہوئی تھی۔

چرچل نے ڈائر کو چلتا کر دیا

انگریز قوم نے چرچل سے بڑا سامراج پرست شخص شاید کوئی نہیں پیدا کیا۔

وہ برطانوی سلطنت کی حفظ و بقا کے لیے ساری دنیا کو قربان کر سکتا تھا۔

ڈائر کو چرچل نے تمام حربے استعمال کر کے برطرف کرا کے دم لیا۔

شاید برطانوی سامراج کا بھلا اسی میں اسے نظر آتا تھا۔

o

O

۲۰ مئی کو ڈائر انگلینڈ پہنچ گیا۔ یہاں پہنچ کر اس نے ملٹری سیکرٹری کو ایک خط لکھا کہ اس کے اقدام (فائرنگ) پر آرمی کونسل میں غور کیا جائے اور اجازت دی جائے کہ وہ خود اپنا کیس پیش کرے، اور مناسب سمجھے تو کسی وکیل کو بھی اپنے ساتھ لائے۔

فیلڈ مارشل سر ہنری ولسن، چیف آف امپیریل جنرل سٹاف کی ڈائری ۱۹۲۷ء میں شائع ہوئی ہے، ڈائری میں مرقوم ہے۔

"ڈائر کا کیس مجلس وزارت کے سامنے پیش ہوا، وزیر جنگ مسٹر چرچل نے ۱۴ مئی کو یہ کیس آرمی کونسل میں پیش کرتے ہوئے کہا کہ کابینہ نے اور انہوں نے فیصلہ کیا ہے کہ ڈائر کو فوجی ملازمت سے برخاست کر دیا جائے۔ آرمی کونسل کو اس فیصلے سے اتفاق کرنا چاہیے، لیکن میری تجویز پر یہ مسئلہ دوسری میٹنگ تک کے لیے ملتوی ہو گیا۔ دوسری میٹنگ میں، مسٹر چرچل نے کہا، کابینہ کا قطعی فیصلہ ہے کہ ڈائر کو برخاست کر دیا جائے، لیکن میری تجویز پر یہ مسئلہ تیسری میٹنگ پر ملتوی ہو گیا، چرچل نے مان لیا کہ سر دست کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔ لیکن یہ بھی کہہ دیا کہ کابینہ کا متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ ڈائر کو رخصت کر دیا جائے۔"

۲۷ رمئی کو حکومت نے سرکاری طور پر ڈائر کے اقدام کی مذمت کی، مسٹر مانٹیگو نے پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔

جس موقع پر کم سے کم طاقت استعمال کر کے کام نکالا جا سکتا تھا، زیادہ سے زیادہ طاقت استعمال کی گئی جو فوجی نقطۂ نظر سے بھی ناواجب اقدام ہے۔

لیکن برطانوی عوام اور اخبارات کے بڑے طبقہ نے ڈائر کو سزاوار تحسین و آفرین اور اس کے اقدام کو سراسر برمحل اور موزوں قرار دیا۔

ہندوستان کے انگریز اخبارات نے بھی ڈائر کی پُر زور حمایت کی، اسٹیٹمین تو سب سے آگے تھا۔

※ ※ ※ ※ ※

ڈائر اس وقت دوراہے پر کھڑا تھا۔ ایک طرف زندگی تھی اور ایک طرف "موت!"

آرمی کونسل کا فیصلہ

چرچل میں ایک بات ضرور تھی!

وہ جس بات کو صحیح اور درست سمجھ لیتا تھا اسے منوانے کے لیے، سر دھڑ کی بازی لگا دیتا تھا۔

برطانیہ کی رائے عامہ ڈائر کے ساتھ تھی، لیکن چرچل کا فیصلہ تھا کہ اسے سزا ملنی چاہیے اور یہ فیصلہ بحال رہا۔

٥

ڈائر کی برطانیہ کے عوام اور اخبارات نیز ہندوستان کے انگریز اخبارات کے مداحانہ رویہ سے ہمت بڑھ گئی۔ اس نے آرمی کونسل میں باقاعدہ اپنا مقدمہ پیش کیا اور بیان صفائی میں ہنٹر کمیٹی کو موردالزام قرار دیا اور تفصیل کے ساتھ اپنے اقدام کو موزوں، مناسب اور برمحل قرار دیا۔

۷ر جولائی کو آرمی کونسل کے فیصلہ کا فذ بہ جنگ مسٹر ونسٹن چرچل نے اعلان کیا، جو یہ تھا۔

"ڈائر نے فیصلہ کرنے میں غلطی کی، اور اسے نصف تنخواہ پنشن پر سبک دوش کیا جاتا ہے۔ اس تصریح کیساتھ کہ اب کوئی فوجی منصب اسے نہیں دیا جا سکتا۔"

حکومت کے اس فیصلہ کو برطانوی عوام نے پسند نہیں کیا۔ ووٹنگ پارٹی لائن پر ہوئی۔ حکومت نے اس فیصلہ کی تصدیق تو کرالی لیکن ۱۲۹ ممبروں نے اس کے خلاف رائے دی۔

اخبار مارننگ پوسٹ نے "نجات دہندہ ہند" کے لیے ایک فنڈ کھولا، اور بہت مختصر مدت میں ۲۶۳۱۷ پونڈ جمع کر لیے۔

ایک برطانوی جج نے اس مسئلہ پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا۔

"ڈائر کا اقدام بالکل درست تھا اور اسے بہت غلط طریقے پر سزا دی گئی۔"

پارلیمنٹ کے بعد مجلس امراء (ہاؤس آف لارڈس) میں یہ مسئلہ زیرِ بحث آیا، یہاں ڈائر کے طرف دار بہت تھے۔

لارڈ مسٹن نے ڈائر کی حمایت میں طویل تقریر کی۔

مجلس امرا میں جب اس معاملے پر رائے شماری کی گئی تو معلوم ہوا کہ اسکی حمایت میں جن لوگوں نے رائے دی، ان میں ۸ ڈیوک، ۶ مارکوئیس، ۳۱ ارل، ۱۰ وائکاؤنٹ ۴۷ بیرن تھے، اس طرح یہاں کافی اکثریت سے ڈائر کے حق میں فیصلہ ہوا۔

لیکن اس فیصلہ نے سارے ہندوستان میں کھلبلی مچادی، ایک مرتبہ پھر برطانوی راج کی سفّاکی اور برطانیہ کی استعماریت اور اس کی سامراجی ذہنیت کے خلاف زہر اگلا جانے لگا۔

برطانیہ کے عوام اور خواص کا بہت بڑا طبقہ ڈائر کے ساتھ تھا۔

جج کا یک طرفہ فیصلہ

قومی تعصب عدل و انصاف کے علم برداروں کو بھی جادۂ انصاف سے منحرف کر دیتا ہے۔

برطانوی قوم کو اپنی جن چیزوں پر بہت زیادہ فخر و ناز ہے، ان میں ایک یہ چیز بھی ہے کہ وہ عدل و انصاف کا راستہ کسی حالت میں ترک نہیں کرتی —— یہ دعویٰ یقیناً بجا اور درست ہے۔ لیکن اگر قومی مفاد، اور انصاف میں تصادم ہو رہا ہو تو اسے انصاف کو ترک کر دینے بلکہ اسے الوداع کہہ دینے میں بھی کوئی تامل نہیں ہوتا۔

ڈائر کے سوانح نگار کا بیان ہے کہ۔

نومبر ۱۹۱۱ء میں ڈائر پر فالج کا بیپرکارڈوٹری تھرامبوسس کا حملہ ہوا وہ بہت زیادہ کمزور اور نحیف ہو گیا۔ یہ بیماری شرائین کی سختی کا نتیجہ تھی جس کے باعث حوالی قلب و دماغ میں خون کی روانی سست پڑ گئی۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جلیانوالہ باغ میں ڈائر نے جو فائرنگ کی تھی وہ اس کی اعصابی کشیدگی کا نتیجہ تھی۔ ۱۹۲۴ء میں بھی وہ اتنا زیادہ علیل تھا کہ سر مائکل اوڈوائر نے سر سنکرن نائر کے خلاف ازالۂ حیثیت عرفی کا جو مقدمہ دائر کیا تھا اس میں وہ بطورِ گواہ نہ پیش ہو سکا۔

سر سنکرن نائر نے اپنی ایک کتاب "گاندھی اور انارکی" میں ڈائر اور اوڈوائر کی سخت خبر لی تھی۔

اس مقدمہ کا فیصلہ صادر کرتے ہوئے مسٹر جسٹس میکارڈی (MECARDIE) نے ڈائر کے بارے میں فرمایا۔

"میرا خیال ہے، اور تمام شہادتوں اور حالات کو سامنے رکھ کر میں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ نہایت نازک اور غیر معمولی حالات میں جنرل ڈائر نے جو کچھ کیا بالکل درست تھا۔ اور میری رائے میں اسے نہایت غلط طریقے پر سزا دی گئی۔ یہ میرا نقطۂ نظر ہے

اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ان تمام حالات کا جائزہ لے کر اور ان تمام تفصیلات کو سامنے رکھ کر جو ہنٹر کمیٹی کے روبرو نہیں پیش ہوئیں۔ میں نے یہ رائے قائم کی ہے۔"

"یہ فیصلہ سنکر — سراوڈائر کا بیان ہے — عدالت کے جملہ حاضرین پر خوشی کی لہر دوڑ گئی اور یہ محسوس کیا جانے لگا کہ پانچ سال کی مظلومیت کے بعد آخر کار حق کو فتح نصیب ہوئی، برطانوی انصاف ظفر مند ہوا، اور ایک بدترین غلطی کی تلافی ہو گئی لیکن یہ سب کچھ بہت بعد از وقت ہوا، جنرل ڈائر کی صحت برباد ہو چکی ہے، وہ اب ایک خستہ اور ماندہ انسان ہے۔!"

ڈاکٹر نے ڈائر کی بیوی کو اجازت دے دی کہ وہ اپنے لبِ گور شوہر کو یہ خوشخبری سنا دے۔

اس مسئلہ کو پھر پارلیمنٹ میں اٹھانے کی کوشش کی گئی لیکن مسٹر ریمزے میکڈانلڈ نے اس سلسلے میں کوئی قدم اٹھانے سے انکار کر دیا۔

ڈائر کی موت اوڈائر کا قتل

۲۳ جولائی ۱۹۲۷ء کو جنرل ڈائر کا انتقال ہو گیا۔

سر مائیکل اوڈائر جو ڈائر کے سب سے بڑے مربی اور قدر شناس تھے۔

۱۳ سال بعد ۱۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو ایک قاتل کی گولی کا نشانہ بنے،

قاتل کا نام اودھم سنگھ تھا۔

اس کی دوسری گولی نے وزیر ہند لارڈ زٹلینڈ کو زخمی کیا۔ بمبئی کے سابق گورنر لارڈ لیمنگٹن اور سر لوئیس ڈین سابق لفٹیننٹ گورنر پنجاب کو بھی زخم پہنچے، یہ واقعہ لندن کے کاکسٹن ہال میں پیش آیا، جہاں ایسٹ انڈیا ایسوسی ایشن اور سنٹرل ایشین سوسائٹی کی طرف سے ایک جلسہ منعقد ہوا تھا جس میں شرکت کے لیے یہ حضرات تشریف لائے تھے، قاتل گرفتار کر لیا گیا۔

اودھم سنگھ نے عدالت میں بیان دیا۔

"سنہ ۱۹۱۹ء میں میری عمر سولہ سال کی تھی، اور امرت سر کی فائرنگ مجھے اب تک یاد ہے، میں اس شخص (او ڈائر) سے نفرت کرتا تھا، یہ قتل کا مستحق تھا، میں اپنے ملک کیلئے جان دے رہا ہوں"

قاتل کو سزا ملی اور وہ پھانسی چڑھا دیا گیا، اس کے وکیل نے اس مقدمے پر تبصرے کرتے ہوئے کہا۔

"دنیا کے کسی ملک میں ایسے نازک مرحلے پر کہ ڈنکرک سے برطانوی افواج افراتفری کے عالم میں پسپا ہو رہی تھیں۔ اتنے بڑے دشمنِ ملک اور دشمنِ شہنشاہیت کو اس طرح کی قانونی مراعات اور سہولتیں نہیں دی جا سکتی تھیں جیسی اودھم سنگھ کو دی گئیں!"

کوئی شبہ نہیں یہ دعویٰ بالکل صحیح ہے۔

لیکن کیا یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کہ دنیا کے کسی ملک نے ان محکوموں پر جو ہمیشہ اسے خوش آمدید کہتے رہے۔ اور ترقی اقبال و دولت کی دعائیں دیتے رہے۔ ایسے بھیانک اور روح فرسا مظالم نہیں کیے ہوں گے۔ جیسے انگریزوں نے ہندو پاکستان کی بے ضرر اور امن پسند اور وفادار رعایا پر کیے۔؟

ختم شد